فصلی دانشور

401-500

فکرِ سلطان

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

ڈاکٹر سلطان محمود

کتاب کا سٹیٹس

نمبر شمار	عنوان	کمنٹس
1	کور پیجیز	شامل ہے
2	فہرست مضامین	شامل ہے
3	مضامین کی درجہ بندی	ابھی کرنی ہے
4	مواد کی درستگی	فائنل ریویو باقی ہے
5	گرامر اور زبان	غلطیاں ہائی لائٹ کی گئی ہیں
6	گمشدہ مواد	30 فی صد تک مضامین گمشدہ ہیں
7	غلطیوں کی اصلاح	فائنل ریویو باقی ہے
8	سرخیاں (مستقل سطح اور ترتیب)	بہتر کی جا سکتی ہیں
9	خطوط (فونٹس - مستقل مزاجی اور درست استعمال)	تقریباً ٹھیک ہیں
10	حروف کا سائز (عنوانات، سرخیاں، متن)	بہتر کی جا سکتی ہیں
15	رنگ (متن اور ڈیزائن عناصر)	ضرورت نہیں
16	صفحہ نمبر نگ	شامل ہے
17	حاشیے (مستقل اور ترتیب کے مطابق)	ضرورت نہیں
18	سرخی اور پانوشت (ہیڈر اور فوٹر)	شامل ہیں
19	ساخت اور ترتیب	تقریباً ٹھیک ہے
20	حوالہ جات	فائنل ریویو کی ضرورت ہے

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

کالمز 401 تا 500

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

COLUMNS 401-500

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

فکرِ سلطان

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

FIKAR-E-SULTAN

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

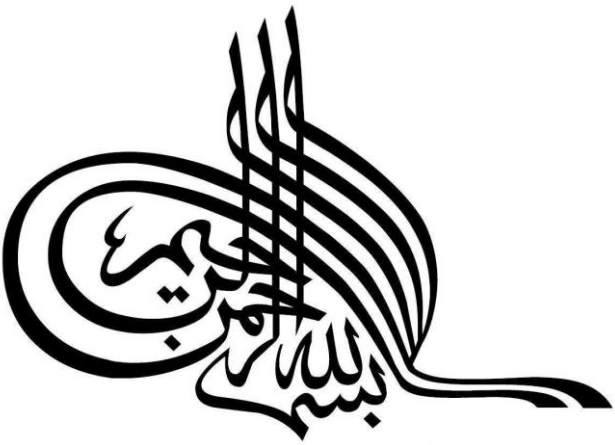

In the name of Allah,
the Most Beneficent,
the Most Merciful

انتساب

Dedicated to the one I love in the Quest of truth.

میری فکر اس کے نام جس سے میں سچ کی تلاش میں آج بھی پیار کرتا ہوں۔

فکرِ سلطان: جملہ حقوق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سیریز	فکرِ سلطان (10 سیریز)
مصنف	ڈاکٹر سلطان محمود
ناشر	ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ
پبلیشر	ماروِل سسٹم
نظرِ ثانی	انعم عروج
اشاعت	2024

فکرِ سلطان : فہرست سیریز

نمبر شمار	عنوان	کل کُتب
1	سیریز اول: ہڈ بیتی	12
2	سیریز دوم: غذا اور صحت	30
3	سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا	13
4	سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی	31
5	سیریز پنجم: غذائی تحفظ	06
6	سیریز ششم: دیہی ترقی	01
7	سیریز ہفتم: سماجی رویئے	04
8	سیریز ہشتم: طنز و مزاح	10
9	سیریز نہم: شعر و شاعری	02
10	سیریز دہم: تصویری مسافت	01
--	کل کُتب	110

تعارف: فکرِ سلطان سیریز

ڈاکٹر سلطان محمود نے اپنی نصف صدی کی کاوش کو سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر چلایا نیز غذائی تحفظ ایک کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کی ہمہ جہت کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھالے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بائیوڈائیورسٹی کی ہئیت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تا کہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ سفر مندرجہ ذیل دس سیریز پر مشتمل ہے۔

سیریز اول: ہڈ بیتی

ایک شاندار اور سمجھدار دماغ، شفاف کردار، شاعرانہ روح اور نچلی سطح کی تنظیموں میں مہارت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ڈاکٹر سلطان محمود نے ملکی ترقی کے مسائل اور تحریکوں کے سب سے زیادہ موثر اور محبوب لیڈروں کے جھرمٹ میں اپنا مقام حاصل کیا ہے۔ ان کو ملے غیر معمولی قدرتی تحائف میں ایشیا، یورپ، امریکہ، تین براعظموں کی سات جامعات سے حاصل شدہ اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت کی بنیاد پر انسان کی غذائی ضروریات اور قدرتی ماحول کے درمیان گہرے تعلق کا ادراک ہے۔ غذائے انسانی میں استعمال ہونے مویشیوں، ماحولیات اور انسانی صحت کے بارے میں وہ آزادانہ گہری تفہیم بھی شامل ہے جو ملکی رویوں کی زبوں حالی کے باعث ہمیشہ زوال پذیر رہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مطلق العنان سیاسی اور پدرسری نظام سے کس طرح کی حکمت سے جنگ لڑ کر جیتی جاتی ہے اور کیسے انسانیت اور تخلیق دونوں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔ نیز اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ایک عام سے متوسط گھرانے سے اُٹھ کر 17 سے زائید ممالک میں اپنی صلاحیتوں کا کیسے لوہا منوایا۔ یہ قاری کو ان کی زندگی کے سفر کو پڑھ کر ہی اندازہ ہو گا کہ محدود مالی وسائل سے کوئی بھی لمحہ فروغ گذاشت نہ کرتے ہوئے کیسے، "تبدیلی کا ڈھانچہ بنایا جا سکتا ہے"۔

سیریز دوم: غذا اور صحت

غذائی علاج جیسی اپنی پچھلی مشہور کتابوں کی طرح، مصنف ماحولیاتی حکمت، پر جوش سرگرمی اور بے عیب پیشہ ورانہ سوچ کے ساتھ پھر سے چمک رہا ہے۔ اس سیریز میں مصنف کی نگارشات اس بات کا ثبوت دیتے دکھائی دیتی ہیں جو انسانی خوراک و غذا پر موسمیاتی تبدیلی کے برے اثرات کو کم کرنے کے لیے مقامی اور بین الاقوامی کارپوریٹ سطح کی کوششوں کے لیے کیے جانے ضروری ہیں۔ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مصنف نے کس طرح حیاتیاتی تنوع کے تحفظ اور کسان برادریوں کے حقوق کے لیے اپنی کوششوں کو حوصلے کے ساتھ جاری رکھا۔ مصنف نے 1997 میں غذا و صحت کے میدان میں چھلانگ لگائی اور پھر اسے اس وقت تک اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا جب تک کہ ورلڈ بنک کے راشد القیوم مرحوم کے مشورے کے پیش نظر ڈاکٹریٹ کے بارہ برس بعد پنجاب یونیورسٹی سے ماحولیات کی ڈگری نہیں لے لی۔ اور پھر انسانی غذا کی پیداوار پر ماحول کے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لینا نہیں شروع کر دیا۔

سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا

غذائی تحفظ کی تخفیفی سائنس تقاضہ کرتی ہے کہ پیچیدہ سائنسی و معاشی معاملات کو ان کی سادہ ترین اشکال میں ڈھال کر انسانی مسائل کو آسان تر بنایا جاسکے۔ تخفیفی سائنس کے تنقیدی اظہاریے جیسا شدید پس منظر رکھنے والا ڈاکٹر سلطان محمود نچلی سطح کی متعدد انجمنوں اور تحریکوں کا ایک سنسنی خیز

موجد، شریک موجد اور کٹڑ حمایتی بھی رہا ہے۔ نیز افزائشِ حیوانات، جنگلات، پانی اور کسان تنظیموں کے تحفظ کی ان تمام ضروری تحریکوں کا روحِ رواں بھی ہے جو زندہ زرعی معاشرے کا تانا بانا ہیں۔ اور یقین رکھتا ہے کہ اس تانے بانے سے انسانی دنیا کا اہم ترین مسئلہ یعنی بھوک سے نجات والا کپڑا بنا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کو حصول میں اس کی جس مضمون نے سب سے زیادہ رہنمائی کی وہ ان کے گریجوایشن کے مضامین تھے۔ جنہوں نے انسانی غذا میں شامل چالیس فی صد جزو جو حیوانات سے حاصل ہوتا ہے، اس کا ادراک گہرا کیا۔ گوشت، دودھ اور انڈے کی پیداوار اور پھر متناسب پیداوار انسان کو بھوک کے المیے سے دوچار نہیں ہونے دیتی۔

سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی

ڈاکٹر سلطان محمود کی زندگی کی کہانی ماحولیات، سماجی سیٹ اپ اور گورننگ سنٹی کو بچانے کی جدوجہد کی وہ زندہ مثال ہے جس میں نصابی اور زمینی حقائق دونوں کام آئے۔ وہ اپنے سیارے کے ماحولیاتی نظام کے کام اور ضرر رساں کارٹیل اور اس کے حامیوں کے تباہ کن اثرات کو گہرائی سے سمجھتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنا ان گہرے مسائل کے اسباب کے بارے میں قاری کے ذہن کو کھولے گا جس میں چند لوگ اپنے برے اعمال کی وجہ سے اکثریت کو دھکیل رہے ہیں نیز اس کے مطالعے سے قاری کو حکومت کے طاقتور تکبر سے نکل کر کسان کی طرف پلٹنے کی امید اور حوصلہ ملے گا۔ یہ خوبصورتی سے لکھی گئی یادداشت ایک زبردست داستان ہے جو زمین، زندگی اور ہمارے قیمتی سیارے کی سالمیت کی خواہش رکھنے والے ہر فرد کو پتا ہونی چاہیے۔ مغربی کارپوریٹ سیکٹر کے ESG کی جانب کاروباری جھکاؤ سے مصنف نے جو کچھ امریکہ، یورپ اور خلیجی ممالک سے سمجھا، وہ

اس نے اپنے ایکو کیئر بزنس اور سوشل میڈیا آگاہی والے گروپس اور چینل کے ذریعے آنے والی نسل کو پوری طرح سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس سیریز کا 30 کُتب کی شکل میں مخطوطہ بڑی تفصیل سے واضع کرتا ہے کہ جونہی ملک کو کارپوریٹ کلچر کے ذریعے ترقی کی جانب غیر متوازن انداز میں دھکیلا جاتا ہے تو وہ کس طرح ہمارے مجموعی سماجی ڈھانچے کو متاثر کرتا ہے۔ اس سے ملک میں ایک غیر متوازن ماحولیات اور سماجی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ جو بالآخر وسائل کی نامنصفانہ تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تئیں تمام ماحولیاتی پراجیکٹس میں قابل کاشت زمین، انسانی روزگار اور گرم ہوتے ہوئے کرہءزمین کے باعث گلیشیر پگھل کر طوفانی انداز اختیار کرنے جیسے مضامین کو کافی گہرائی سے دیکھا ہے۔ نیز اس سیکٹر میں پورا جذب ہونے کے لیے اپنی سرکاری نوکری سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر نیسپاک جیسی قومی و عالمی ایجنسیوں کے ماحولیاتی پروگرام کا جارحانہ حصہ بن کر انسانی غذا کی تخفیفی سائنس سے بھرپور کام لیا ہے اور چار سو سے زائید ماحولیات پراجیکٹس کو کامیابی سے ہمکنار کر کے ملک کے عوام اور حکومت کے کام کو نہائیت آسان بنا دیا ہے۔

سیریز پنجم: غذائی تحفظ

ڈاکٹر سلطان محمود کی ذاتی کاوشوں کا سارا نچوڑ صرف "غذائی تحفظ" کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔ جسے اصولی طور پر اولین سیریز میں جگہ ملنی چاہیے تھی، لیکن تخفیفی سائنس کا خوگر ہونے کے باعث انہوں نے مناسب جانا کہ پہلے ان اوامر کا ذکر کیا جائے جو غذائی تحفظ یا عدم تحفظ کا باعث بنتے ہیں۔ تبھی انہیں نے اپنے فکری سفر کا آغاز اپنے پسندیدہ مضمون (سیریز دوم غذا و صحت) سے شروع کرنا

مناسب جانا اور انسانی صحت پر غذا کی ضروریات اور اثرات کا شروع میں جائزہ پیش کر دیا۔ یعنی باالفاظ دیگر اپنی فکر کی بنیاد انسانی جِبلّت بھوک پر رکھی۔ پھر مناسب انسانی صحت بر قرار رکھنے کے لیے مناسب غذا کی پیداوار، سپلائی چین، قوتِ خرید اور جسمانی ضروریات پر رکھی۔ دھیرے دھیرے اس تخیل کو راسخ کر لینے کے بعد وہ اپنے بنیادی مضمون یعنی ان حیوانات کی جانب پلٹے جو انسانی خوراک میں دودھ، گوشت اور انڈے کی شکل میں روزانہ کی ضرورت کا چالیس فی صد پر مشتمل ہے۔ اس منطقی تعلق سے ان کی فکری گہرائی کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اگر بہترین اور مناسب ماحولیاتی انتظامات کر کے پانی کے ذرائع پر بحث مکمل کر لی جائے تو یہ غذائی تحفظ کی ایک ایسی گارنٹی ہے جو افزائشِ حیوانات کے ذریعے انسانی صحت کی ضامن ہے۔ یہاں یہ بھی واضع ہو جاتا ہے کہ شدید سیلاب ہر سال جو حیوانات کی تباہی لاتے ہیں ان پر موثر قابو پا کر انسان کم سے کم چالیس فی صد غذائی ضروریات کو تو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ منطقی سوچ یورپ اور امریکن جامعات کی فلاحی سائنسیز پر کام کر کے پیدا ہوئی۔ گو کہ ڈاکٹر سلطان محمود کے تیکنیکی کام میں سب سے کم کتب اسی غذائی تحفظ سیریز کا حصہ بنیں لیکن حقیقت بھی یہی ہے کہ عظیم تحقیقات اور کاوشوں کا خلاصہ ہمیشہ مختصر ہوتا ہے۔

سیریز ششم: دیہی ترقی

ویسے تو حیوانات کی افزائش ایک دیہی موضوع ہے جہاں ہمارا 70 فی صد کسان اپنا خون جلا کر صبح شام انسانی غذائیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کے غیر متوازن دیہی ترقی کے میدان کی بجائے ہمیشہ شہری ترقی و سہولیات کو اولیت حاصل رہتی ہے۔ جس نے ایک جانب اگر غذائی عدم تحفظ کا

خطرہ مول لے لیا ہے تو دوسری جانب شہر کی طرف نقل مقانی کی عفریت کو بھی جنم دیا ہے۔ ایسے غیر دانشمندانہ حکومتی اقدامات کا نتیجہ ایک ایسی بے ہنگم معاشرتی زندگی کی شکل میں رونما ہوا ہے کہ جس میں حکومت گاؤں چھوڑ کر شہر میں بسنے والوں کے مسائل کو شہری ترقی کی ناکامی کی شکل میں سہہ رہی ہے اور نہ وہ ان کو خدا ہی مل پا رہا ہے اور نہ وصالِ صنم ہو رہا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کو تو خیر چھوڑیں اگر کل کے غریب چین اور بھارت ہی کی مثال لے لیں تو ان کے ہاں غذائی تحفظ شہر و دیہاتی زندگی میں توازن لانے سے ممکن ہوا ہے۔ اور محض بیس برس میں ان دو ممالک کے دو ارب لوگ دن میں ایک کھانے سے دو کھانوں کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان دونوں ممالک نے اپنے آبی ذخائر پر ہزاروں ڈیم بنا دیئے ہیں جن سے وہ نہ صرف غذائی تحفظ یقنی بنا رہے ہیں بلکہ اپنی توانائی کی ضروریات بھی پوری کر رہے ہیں۔ حالانکہ عالمی موسمی تبدیلیاں ان پر بھی ویسے ہی اثر انداز ہو رہی ہیں جیسے باقی کرہء ارض پر رونما ہوتی ہیں۔

سیریز ہفتم: سماجی رویئے

ڈاکٹر سلطان محمود اپنے عالمی ایکسپوژر کے باعث خلیجی ممالک میں رواج پا جانے والے حالیہ شعبہ جات میں ماحولیات سے متصلہ کارپوریٹ سیکٹر کی نئی جہت ای ایس جی سے کافی متاثر ہوئے لہذا انہوں نے ملک عزیز کی اس شعبہ میں لاعلمی کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی کل نگارشات میں سے سوشل اور گورننس کے شعبہ جات کو ماحولیات کی کتب کے علاوہ خود مختار کتابی درجہ دے دیا اور اس کے لئے انہوں نے سیاست، مذہب، تعلیم، آبادی، تکنیکی تربیت، شہری و دیہی ترقی وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر جو کچھ تجربات حاصل کئے تھے اسے اکٹھا کر کے اس سیریز کا حصہ بنا

دیا ہے۔ سابقہ اعتبار سے وہ اپنی نگارشات کو حاصل مطالعہ بھی کہتے ہیں، اس مطالعے کا حاصل جو انہوں نے مغرب سے حاصل کیا اور سنجیدہ عملی و علمی سفر کو اپنے وطن میں بھی لاگو کر سکتے ہیں۔ گو کہ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ "کامن سینس" اتنی بھی کامن نہیں ہوتی "لیکن امیدؔ واثق رکھنے ہیں کہ جونہی عوام خصوصاً کسان میں تعلمی کمی دور ہو گی، سماج میں لازمی بہتری آئے گی۔

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

اس جہت پر ڈاکٹر صاحب ایک اتھارٹی ہیں اور خود اپنے اوپر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے اگر طنز و مزاح کے گڑھ لائلپور یا فیصل آباد میں چوتھائی صدی نہ گزاری ہوتی تو میرے اندر کا اصلاحی جذبہ طنز اور شگفتگی کی شکل میں باہر نہ آتا۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اس سیریز میں نہ صرف سب سے زیادہ کتب ہیں جو ایک منفرد انداز میں مقامی و عالمی سیاست، مذاہب، نیز دیگر سماجی موضوعات پر طنزیہ و فکاہیہ انداز میں تخلیق شدہ تاریخ کا شاندار اور متاثر کن عالمی منظر نامہ پیش کرتی ہیں جسے ڈاکٹر صاحب نے اپنی طنزیہ و فکاہیہ ندرت اظہار کے باعث اسے میٹھا سچ سیریز کا نام دے دیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مصنف مقامی طور پر قلیل مدتی طاقتوں کی سماجی خرابیوں کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست کی خود غرضی کا بھی سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ یہ سیریز ایک شان اور روشنی کے ساتھ بیشمار سیاسی، سماجی اور منطقی حل بھی فکاہیہ انداز ہی میں پیش کرتی ہے۔ مصنف نے ملک کے نمایاں مزاح نگار کرنل محمد خان اور ظفر اقبال کی طرز سے متاثر ہو کر مزاح لکھنے کا آغاز گو کہ کالج لائف سے شروع کر دیا تھا مگر اس انداز کو مہمیز تب ملی

جب وہ نیویارک میں ممتاز صحافی محسن ظہیر کی ادارت میں شائع ہونے والے ہفت روزہ "صدائے پاکستان" سے بحیثیت سب ایڈیٹر منسلک ہوئے۔ نیز انہوں نے لاہور کے چند اخبارات میں اپنے فکاہیہ کالم میٹھا سچ کے نام سے ہی لکھنے شروع کر دیے۔ بقول ڈاکٹر صاحب جگت بازی اور فکاہیہ اندازِ بیان میراثی کو حکومت سے جدا کرتا ہے۔ اور طنزیہ ادب کو سنجیدہ کرتا ہے۔

سیریز نہم: شعر و شاعری

ڈاکٹر سلطان محمود کا بچپن ہی سے شاعرانہ مزاج ہے جسے اظہار کا موقعہ کالج لائف میں کسی ناکام محبت کے جھٹکے سے ملا۔ وہ اپنی جبلت کی افتادِ طبع سے خود ہی نالاں بھی تھے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نہ صرف کبھی کل وقتی شاعر بننا گوارا نہیں کیا بلکہ شاعر کہلوانے سے بھی صاف انکار کرتے ہوئے یہ دلیل اختیار کی کہ میں نے کاغذی شیر بننا کبھی بھی پسند نہیں کیا اور دوسری رکاوٹ ان کی سائنس میں اعلیٰ تعلیم بن گئی جو پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ سے حاصل شدہ تھی جہاں شاعروں کو کارآمد اور قابل استعمال وقت کا دشمن سمجھ کر تنقیدی چھلنیوں سے گزارا جاتا تھا۔ اس کے باوجود تین چار برس میں عروض سمجھے بغیر سینکڑوں غزلیات کہہ دینا شاید ساحر لدھیانوی کی کتاب "تلخیاں" بنی جو عین ناکام عشق کے دوران ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ اپنی ہر نگارش کو بچوں کا سا پیار دیتے ہیں اس لئے انہیں بعض دوستوں نے کلام شائع کرنے پر قائل کر لیا جن میں عروض کی استاد محترمہ کنیز بتول کھوکھر کا بڑا ہاتھ ہے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی لگ بھگ ایک کتاب کے مواد کو عروض پر بھی ڈھال دیا اور جہلم کے ایک استاد شاعر کاشف بٹ نے

بھی ناقابل تردید مدد کی۔ ڈاکٹر سلطان محمود جب اپنی فکر کو تحریری شکل دینے لگے تو انہیں معاصرین نے بے حد مشکل سے راضی کیا کہ وہ اپنے چالیس برس پرانے کلام کو بھی اپنی تحریر میں شامل کریں۔ یہ شاید ڈاکٹر صاحب کی غلطی یا صرف نظر ہی سمجھا جائے گا کہ وہ بہترین کلام غیر ممالک میں تو اردو کمیونیٹی کو توسناتے رہے لیکن ملک عزیز کے اندرونی حلقوں میں قدم تک نہ رکھا۔ البتہ وہ ہمیشہ اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر حسن اختر مرحوم، استاد پروفیسر عظمت اللہ خان مرحوم اور دیگر ادبی مقربین کا ذکر بہت شوق اور محبت سے کرتے ہیں۔

سیریز دہم: تصویری مسافت

بھلا ہو ورلڈ بنک کا جس نے ڈاکٹر سلطان محمود کو تصویری بنک بنانے کی عادت ڈال دی۔ حالانکہ انہوں نے محض دس برس کی عمر میں جیب خرچ بچا کر کوڈک کا دس روپے کا کیمرہ 1967 میں ہی خرید لیا تھا اور اپنے بھائی ہمایوں شوکت کے واحد جس تحفے کی وہ قدر کرتے تھے وہ اس کا امریکہ سے لایا ہوا کیمرہ یاشیکا 124 تھا۔ ایسے ہی ان کے استعمال میں وارسا پولینڈ میں روسی کیمرے "زینتھ"، جرمن "بیٹنس" اور جاپانی "نیکن" کیمرے بھی رہے لیکن پھر ڈیجٹل کیمروں اور موبائل کیمروں نے تو انہیں نہال ہی کر دیا۔ ان کے پاس بزرگوں کے علاوہ مشاہیر زمانہ کی بیشمار تصاویر بھی موجود ہیں جو ہر وقت ان کے لیپ ٹاپ اور سیل فونز کی سپیس کھاتی نظر آتی ہیں۔ اس مشکل کے ہاتھوں انہوں نے مجبور ہو کر اور میاں وقار الاسلام کی صلاح لے کر فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی کی کہانی کی تصویری دسویں سیریز کیس شکل میں بنائیں گے۔

فہرست کالمز

سیریل	عنوان	کیٹاگری	صفحہ نمبر
401	مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر		
402	عمران 2028ء تک		
403	نواز شریف کے حمایتی		
404	خود کلامی		
405	لائبریری میں پونڈی		
406	قبضہ گیر حکومت		
407	تمباکو نوشی اور پرواز تخیل		
408	جوں کا توں		
409	ماحولیاتی دہشت گردی		
410	سبزی خوری (Vegans)		
411	جمعے کی چھٹی کا ممکنہ فیصلہ		
412	کہیں چین گوادر ہی لے گیا تو؟		
413	بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا		
414	نواز شریف بادشاہ کیوں نہ بن سکا؟		
415	میرا کراچی		
416	یاد ماضی		
417	پاکستان میں ہم جنس پرستی کا معاملہ		
418	انتظامیہ دی رائٹرز کیفے متوجہ ہو		
419	کالم 419 از ڈاکٹر سلطان محمود		

420	ہم شوگر کوٹڈ مسلمان		
421			
422			
423			
424			
425			
426			
427			
428			
429			
430			
431			
432			
433			
434			
435			
436			
437			
438			
439			
440			
441	قسمت کا دھنی		
442	بابا کوڈا اور ففتھ جنریشن وار		

443	Hope of the hopeless		
444	اللہ کی ایجاد		
445	جھوٹ کی رہی سہی کسر بھی پوری		
446	یوم تکبیر		
447	القدس پر ایک اور تحریر		
448	مغربی جمہوریت یا فوجی آمریت		
449	کبڑے کو پڑی لات		
450			
451	گھوڑا اور کوا		
452			
453	ہماری کائیں کائیں		
454	دوستی کا بارہواں درجہ		
455	نئے پاکستان کا لالی پاپ		
456	فی البدیہہ خان		
457	قرآن تو بول رہا ہے مگر ہم بہرے ہو چکے		
458			
459	بیوی ایک ہی اچھی		
460	آؤ شعر مکمل کریں		
461	پراسرار انسانی دماغ کی منطقیں اور اعتقادات		
462	بھٹو کی نیشنلائزیشن پالیسی		
463	پاکستان سستا ملک کیوں ہے؟		
464	ہم تاریک راہوں میں مارے گئے		
465	Some Harsh Days Ahead		

466	فصلی دانشور		
467	Imranophobia		
468	مسلمان کے زوال کی اصل وجہ قرآن کا چھن جانا ہے		
469	سلطانی بھی عیاری، درویشی بھی عیاری		
470			
471			
472	مہنگائی کا منطقی استدلال		
473	کیا نمبر علم کا معیار ہیں؟		
474	توانائی پیدا کرنے کے سیاسی ڈرامے		
475	Quality Points of IK		
476	بھارت کے مہا گرو کا گیان، دھیان اور اب بیان		
477	وڈاابا		
478	تہری زنجیر		
479	غریب کو تو مرنا ہی مرنا ہے		
480	دسمبر اداس کیوں کرتا ہے		
481	Sialkot Misery		
482	آبادی میں کمی کے مددگار عناصر		
483	کیا پاکستان چین جیسا بن سکتا ہے؟		
484	خچرے مہاجر		
485	جماعت اسلامی سیاست سے نکلے		
486	مسٹر ون پرسنٹ		
487	انقلاب کی دہلیز پر		
488	رلا دینے والے چند پاکستانی ڈرامے		

489	انسانیت		
490	مقدس گائیاں		
491	چینی آکٹوپس		
492	الجھن کی سلجھن		
493	خلافت چینیہ		
494	Political Stock Exchange		
495	خان صاحب قوم کو ذرا مزید غلام رہنے دیں		
496	لفافہ صحافی (دوسرا حصہ)		
497	نشئی و چالیس نکے بمقابلہ علی بابا چالیس		
498	اندر کی خبریں		
499	اور بل ادا کر دیا گیا		
400	ہمیں شاعر بننا کیوں پسند نہیں؟		

"مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر"

کالم 401 از مسلم ناقص ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 18، 2021

کیا آپ کو معلوم ہے کہ 1906ء سے قبل کوئی اہل حدیث نہیں تھا۔ 1896ء سے پہلے کوئی بریلوی نہ تھا۔ 1867ء سے پہلے کوئی دیوبندی نہیں تھا۔ 250ء ہجری سے پہلے کوئی حنبلی نہیں تھا۔ 200ء ہجری سے قبل کوئی مالکی اور شافعی نہیں تھا۔ 150ء ہجری سے پہلے کوئی حنفی اور جعفری نہیں تھا۔ بلکہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کوئی شیعہ اور سنی نہیں تھا۔ ہاں اس وقت البتہ مسلمان ضرور تھے جو موجودہ دور استبداد میں کہیں کھو سے گئے ہیں۔ آیئے انہیں ڈھونڈیں چراغ رخ زیبا لے کر۔

اگر غور کریں تو ان سب فرقوں یا مکاتب فکر کو غیر مسلموں نے جنم دیا بلکہ برصغیر کے فرقے تو زیادہ تر انگریز کے پیسے سے وجود میں آئے۔ یا پھر سادہ لوح مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً غیر مسلم سازشیوں نے لالچ وغیرہ دے کر یا چرب زبانی سے ان کے باہمی

اختلافی افکار کے حسن کو فرقہ بندی، دہشت گردی اور عدم برداشت میں بدل کر انہیں تقسیم در تقسیم کر دیا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں لوگوں نے علماء کے ایماندارانہ تحقیقی کام کو بنیاد بنا کر اپنے اپنے امام گھڑ لئے۔ اگر سنیوں نے چار اماموں کو مان کر اپنے آپ کو چار گروہوں میں تقسیم کر کے قرآن و حدیث میں دراڑیں ڈالیں تو شیعوں نے کئی قدم آگے بڑھ کر بارہ امام بنا لئے۔ اب کسی کے نزدیک قرآن کریم کے چالیس سپارے ہیں تو کسی کے عقیدے میں تیس۔ کسی کی اذان اس طرح کی تو کسی کی لمبی چوڑی۔ کوئی نمازیں جوڑ کر بوجھ ہلکا کر رہا ہے تو کوئی فرضوں کے ساتھ ساتھ نفلوں پر بھی زور آزمائی کر رہا ہے۔ کسی کی داڑھی ناف تک لمبی تو کسی کا محض خط۔ دستار کے رنگوں اور ٹولی کی وضع قطع تو ہر ایک کی الگ۔ کوئی سرمہ ڈال کر آنکھ مستانی کرنے کے چکر میں غلطاں ہے تو کوئی منہ میں مسواک دابے دوسرے کے منہ سے منہ جوڑ کر خطاب فرما رہا ہے۔ خوشبوؤں کے مقابلے ہیں تو کہیں جبہ کی رونمائی۔ الغرض ہر گروہ دوسرے سے مختلف نظر آنے کی کاوش میں یوں ہلکان ہے کہ ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت کہیں کونے کھدرے میں گم سم کھڑے ہیں۔ ان کی آپس کی چشمک سے یہ شک اکثر سر ابھارتا ہے کہ یہ سبھی اسلام بین المسلمین کے داعی کہیں کل کلاں ختنے کی بناوٹ اور لمبائی پر لڑ پڑے تو یقین کریں مسلم امہ کی آبادی ہی نہ محدود ہو کر رہ جائے خدا نخواستہ۔

یہ مذہبی تقسیم کا عمل اور دھڑا دھڑ فرقے بنانے کی فیکٹریاں تیزی سے آج بھی کام جاری رکھے ہوئے ہیں جن کے کارن لگتا ہے کہ ہم مسلمان یونہی بکھر کر برباد ہوتے رہیں گے۔ ابھی کل کی

بات ہے کہ قادیانی نیا دین لے آئے، تبلیغی جماعت نے رستے الگ کر لئے، مودودی صاحب کے ماننے والے سیاست اور مذہب میں کسی کے ساتھ کھڑے ہونے کو تیار نہیں، اسرار صاحب، غامدی صاحب اور ہری گت والے قادری بپاجانی بھی کل کی ایجاد ہیں۔ کہیں سپاہ صحابہ بن گئی تو کہیں لشکر جھنگوی اور لشکر طیبہ۔ پھر تفرقے کی ایسی زرخیز زمین میں امریکہ اور اسرائیل اپنی پنیری لگانے میں کیوں پیچھے رہیں۔ انہوں نے ہمارے سروں پر داعش کی خلافت چڑھادی ہے جو ہمیں چن چن کر مار رہی ہے۔ اس سے قبل امریکہ بہادر نے ڈالر دے کر مجاھدین بنائے اور اب مزید ڈالر دے کر طالبان بنادیئے ہیں۔ پھر ان کی پنیری سینچنے کے لئے بھارت اور افغانستان نے نئی تحریک طالبان بناڈالی ہے تاکہ اگر داعش تھک جائے تو اس کا ہاتھ بٹایا جاسکے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر فرقے کی ابتدا کسی بڑے نام سے ہوئی مثلاً مرزا غلام احمد کو چھوڑ کر امام جعفر صادق، امام ابو حنیفہ، عبد القادر جیلانی، مولانا اسحاق وغیرہ کوئی چھوٹے نام ہیں کیا؟ یا خاکم بدہن کوئی فرقے گھڑنے والے مسلمان تھے وہ کیا؟ قطعاً نہیں۔ یہ سب ڈرامے تو ان کے ایسے عامی مریدوں نے ان ولیوں کے دنیا سے پردہ پوش ہونے کے بعد ترتیب دیئے جن نکموں کو پیٹ پوجا کے لئے کسی برانڈ کی تلاش تھی۔ اور پھر ان کے سو فیصد دنیاداری والے اذہان تک بات پہنچتے پہنچتے ایک ایسے منافع بخش کاروبار کا روپ دھار گئی ہے کہ جہاں مخالف کے لئے کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔

اب ایسے دگرگوں حالات میں اگر کچھ کھو گیا ہے تو وہ صرف قرآن اور تقویٰ ہے۔ اگر ہم نے اپنی میراث کھوئی ہے تو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والی کھوئی ہے۔ اگر کوئی نعمت کھوئی ہے تو خاتم النبیین کی کہی گئی علم کی نعمت کھوئی ہے اور اگر کوئی سبق بھولا ہے تو اقبال کا یہ سوال بھولا ہے کہ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں۔۔۔

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔۔۔

ورنہ تو ہمارے باہمی نیز دشمن کے ہر عمل اور پھر اس پر ردعمل کے طور پر ہمارے ہاں خودکش حملے سے کر جہاد تک کی فراوانی ہے۔ اس نازک موضوع پر نہ تو کوئی لکھتا ہے اور نہ اس ظالمانہ گروہ بندی پر یقین رکھنے والے احمق اور عقل کے اندھے مسلمان اپنے جھوٹے گردابوں سے باہر نکلتے ہیں بلکہ اپنے مسلک کو درست اور دوسرے کو غلط سمجھنے والی یہ تقسیم اس حد تک گہری ہے ش کہ اگر ہمارے کالم کی صداقت جاننی ہو تو تھوڑا انتظار کر لیں، آپ کو دہشت گردوں اور کج فہم مسلمان فرقہ بازوں کے نفرت آمیز تبصرے اسی سوشل میڈیا پر مل جائیں گے۔ بھلا بھائیو اور بہنو کوئی کہاں تک اپنی گز بھر کی داڑھی یا کھیر اکاٹنے کے شرعی طریقوں پر تنقید برداشت کرے گا اور موقع ملتے ہی سب شیدے بلیکئے، پپو سود خور، مامے مودے، سائیں ننگے شاہ، ملاں ڈکرے اور چوہدری فلماں والے ہمیں سبق سکھانے وقتی طور ضرور اکٹھے ہو جائیں گے کہ یہ کون دیسی لبرل آ گیا ہے ہمارے پیر دستگیر جی کی ہتک کرنے

"عمران 2028ء تک"

کالم 402 از ڈاکٹر سلطان

جنوری 19، 2021ء

صرف ریکارڈ کی درستگی کے لئے یہاں دی گئے کالم کا اشتراک کر رہا ہوں اور اس اشتراک کی دوسری وجہ ہمارا حالیہ قیام اسلام آباد ہے جہاں ہم نے بیک وقت حکمرانی کے پاور کوریڈور کے اندر رہ کر نیز محنت کش غرباء کے بھی قریب رہ کر حالت کو پرکھا ہے۔ ہمیں بہر طور عمران سے یہ شکایت ضرور ہے کہ وہ امریکہ کی طرز پر جانے والی حکومت کو بریفنگ حاصل کرنا تو دور کی بات محض اپنے برطانیہ ہی کی طرز پر اگر 2013ء میں اپنی شیڈو کیبنٹ بنا لیتے تو ان کی اب تک کی گئی محنت رنگ لا چکی ہوتی اور عوام ان کے گن گا رہی ہوتی۔

نیچے دی گئی تبدیلی کے اعداد و شمار حقیقت کے خاصے قریب ہیں بلکہ کچھ کم دکھائے گئے ہیں۔

انہیں دیکھ کر تپِ عمرانی (عمرانی بخار) کے شکار لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے اور یہ یقین ان کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے کہ عمران مضبوط ہو رہا ہے اور انہیں یہ بھی یقین ہو رہا ہے کہ اگر عمران مضبوط ہو گیا تو پچھلی چور ساہوکار حکومتوں کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائیگی اور نواز شریف کا پاکستان کا بادشاہ بننے اور پی پی کا مزید عوامی خون چوسنے کا خواب چکنا چور ہو جائیگا نیز ان کے ساون کے اندھے پیروکار بھی گہرے قعر مذلت میں جا ڈوبیں گے۔ تبھی پاکستان میں بدی کی قوتیں اپنی آخری جنگ لڑنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں کہ عمران کے پاؤں جمنے نہ پائیں۔

نیب سے ڈری بیوروکریسی اور لفافہ میڈیا میں پچھلی حکومتوں کی سرمایہ کاری ابھی تک عمران کی کامیابی میں بڑی رکاوٹ ہے اور یہی دو ادارے اس حکومت کے پاؤں جمنے نہیں دے رہے۔ اس کا

حل یہ ہے کہ اگر عمران بیوروکریسی کو نیب سے تحفظ کا احساس دلا دے تو اس کلاس میں بچے کھچے اچھے لوگ موجود ہیں وہ خود برے افسران کو پرے کر دیں گے۔ یہ لوگ ہی در حقیقت حکومت کے دست و بازو ہوتے ہیں اور یہی ڈر کے مارے سسٹم کا گلا گھونٹے ہوئے ہیں اور عوام میں عمران کا منفی تاثر ابھر رہا ہے۔ عمران اگر ان کو احساس تحفظ مہیا کر دے تو پھر ماضی کے طالع آزماؤں کی آدھی موت واقع ہو جائے گی۔ رہا میڈیا تو وہ صرف ہڈی کی طرف لپکتا ہے۔ بہتر ہے کہ انکو بھی ہڈی کے سراب میں پھنسا دیا جائے تو پھر ستے خیر اں۔

بہر حال عمران کو ابھی مدبر سیاستدان بننے میں کچھ وقت درکار ہے تب تک بدی کی طاقتیں اس پر تابڑ توڑ حملے کرتی رہیں گی۔ رہی عوام تو وہ پچھلے چالیس برس سے پیٹ کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے اگر عمران کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں مستحکم کر دے تو یہی عوام اس کے گن گانا شروع کر دے گی کیونکہ عوام روٹی پانی سے آگے سوچنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ اگر ہماری ان تینوں قابل عمل تجاویز کو مان لیا جائے تو عمران 2028ء تک کامیاب رہے گا اور بحثیت گیم چینجر اپنا سکہ منوا لے گا۔

"نواز شریف کے حمایتی"

کالم 403 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 26، 2021

بے شمار عوام آج بھی نواز شریف کا دفاع کرتی نظر آتی ہے۔ پانچ بڑے گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اول جنہوں نے اسکے دور حکومت میں اسی کی طرز کی لوٹ مار میں عملاً حصہ لیا۔ ایسے لوگ عموماً فطری طور پر لالچی اور لٹیرے ہیں۔ ان میں اسکی پارٹی کے عہدے دار، ایسے کاروباری جن کو اس کی حکومت میں غیر قانونی تحفظ حاصل رہا اور بیوروکریسی، فوج، عدلیہ اور دیگر سروسز کے وہ لوگ جن کو اس پارٹی نے خرید رکھا تھا یا احسان کے طور پر ان کے خاندان کے افراد کو صرف اس مقصد کے لئے نوکریاں دلوائیں کہ یہ ہمیشہ شاہ کے وفادار رہیں گے۔

دوم وہ انا پرست ڈھیٹ جو ایک بار اس کی حمایت میں ایکسپوز ہو گئے اور اب اپنی ضد کو پانی دیئے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگ زیادہ تر سوشل میڈیا پر پائے جاتے ہیں۔ یہ اندر سے حقائق جان بھی چکے ہوتے ہیں مگر ضد اور عدم برداشت کے باعث شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے پر مجبور ہیں بیچارے۔ ایسے لوگوں میں زیادہ تر پڑھے لکھے طبقے کے ڈاکٹر انجینئر وکیل صحافی وغیرہ پائے جاتے ہیں اور اپنے علم کو زور زبردستی سے نواز شریف کے حق میں استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ تو ملک کی شان ہوتے ہیں مگر ان کا سب سے بڑا نفسیاتی مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بیچارے اپنے فالوورز سے جھجکتے ہیں اور ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ اپنے غلط تجزیات پر معافی مانگ سکیں۔

سوم وہ لوگ جن کو نون لیگی میڈیا اس کی حمایت کرنے کے عوض باقاعدہ فیس دیتا ہے۔ ایسے لوگ ملازم ذہنیت والے نوکر چاکر ٹائپ لوگ ہوتے ہیں اور وہ میڈیا کی حد تک نواز شریف کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بکاؤ مال ہیں جن کو کل کلاں کوئی پارٹی بھی خرید سکتی ہے۔ اس گروہ میں زیادہ تر صحافی اور نچلے درجے کے سیاستدان یا سیاست کے چاؤ میں ہلکان نوجوان شامل ہوتے ہیں۔
چہارم ایسے لوگ جن کا اپنا کوئی دماغ نہیں ہوتا یا تجربہ کار نہیں ہوتے اور قومی ترجیحات طے کرنے کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کو ان پڑھ تو نہیں کہا جاسکتا کیونکہ پڑھے لکھے شخص کی اقوام متحدہ کی تعریف پر یہ پورا اترتے ہوئے اپنا نام لکھنے اور دستخط کرنے پر قادر ہوتے ہیں مگر اس سے آگے ان کے دماغ میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ یہ لوگ جس ماحول میں رہتے ہیں اسی کے اسیر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور سنی سنائی باتوں کو آگے پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔
اور پانچواں گروہ ان بدنصیبوں کا ہے جنہیں عمران، زرداری یا فضل الرحمان ٹائپ لوگوں سے کچھ ذاتی عناد ہے مگر وہ سیاسی محاذ پر سرگرم بھی رہنا چاہتے ہیں لہٰذا انہیں جو جنس مہیا ہے وہ نواز شریف ہی ہے اور اسی پر بیچارے گزارہ کئے بیٹھے ہیں۔

بنظر غائر دیکھیں تو یہی حال سبھی سیاسی و مذہبی سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کا بھی ہے اور ایسے ہی لوگ ہمیں پیپلز پارٹی، تحریک انصاف و دیگر جماعتوں میں نظر آتے ہیں۔ اور یہی وہ المیہ ہے کہ جس کے باعث عوام صرف ووٹ ڈالنے کا دکھاوا کرنے والا ایک ایسا ریوڑ ہے جو دنیا بھر کے میڈیا کو دکھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مگر حقیقی جوڑ توڑ کہیں اور طاقت کے مراکز میں بیٹھ کر کیا جاتا ہے

"خود کلامی"

کالم 404 از ڈاکٹر سلطان محمود

(کالم نمبر چیک کر لیں)

جنوری 27، 2021ء

بڑے بڑے لالچی لوگ بھی ہمارے معاشرے کا ہی حصہ ہیں۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ۔

کوئی بیٹے کے لئے جہیز لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ سمدھی لوگ ششدر۔ اور ڈرے ڈرے کہ کہیں دونوں اطراف کے رشتہ دار طعنہ زنی نہ کریں کبھی۔ لیکن بیٹا ہونے والے سسرال میں مجلس کرتا ہے۔ سبھی موجود۔ صاف منع کرتا ہے جہیز لینے سے۔ سمدھی کے بہن بھائی اور بچوں کے سسرال بھی موجود۔ جب سبھی سمدھی کو سمجھاتے ہیں تو وہ جہیز نہ دینے پر مان جاتے ہیں۔

اور پھر انہی دنوں ایک معجزہ رونما ہوتا ہے۔ کیا آپ دوست اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا ہوا ہو گا؟

بیٹی کا بھی ایسے لوگوں میں رشتہ ہو جاتا ہے جو جہیز نہ لینے کی شرط رکھ دیتے ہیں۔ داماد سادگی اپنانے کا بھی کہہ دیتا ہے۔ اس ہاتھ دیا اس ہاتھ لیا۔

دونوں شادیاں ہو جاتی ہیں۔ بیٹی باہر کے ملک سدھار جاتی ہے۔ برسوں گزر جاتے ہیں۔ الحمدللہ دونوں گھرانے ہنسی خوشی رہتے ہیں۔ اللہ چھپر پھاڑ کے دیئے چلا جاتا ہے۔ نامعلوم ذرائع سے رزق آتا ہے۔ بلکہ اوقات سے زیادہ ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

وہ اللہ کا بندہ اکثر سوچتا ہے کہ کیا رزق صرف پیسے کا نام ہے؟

چھی اولاد، صحت مند زندگی، دور نزدیک تک جاننے والوں میں عزت، باوقار شخصیت، دوسروں پر آپ کا رعب، علم و فضل کی اعلی ترین ڈگریاں، اپنوں غیروں کا بھروسہ، قرض سے نجات، کاروبار میں کشادگی، جائیداد میں وسعت، اپنوں غیروں کا مشورے کے لئے آنا، زبان اور قلم میں تاثیر، رب پر ایمان وغیرہ۔

کیا یہ سب رزق کی اقسام نہیں؟

اور پھر سب سے بڑا رزق۔۔۔ سکون بھری زندگی۔ اللہ سب کے ساتھ ایسے ہی معاملات کرتا ہے

۔۔۔۔

صرف بندہ ناشکرا اور جلد باز ہے۔۔۔

خود کلامی۔۔۔ ڈاکٹر سلطان محمود

لائبریری میں پونڈی
کالم 405 از ڈاکٹر سلطان محمود
جنوری 28، 2021

ہمیں بچپن سے ہی لائبریری میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا لیکن جب سے میونسپل کارپوریشن لاہور کی لائبریری میں سی ایس ایس کرنے کی شوقین اچھے گھرانوں کی مہیلاؤں کو بیٹھے دیکھا تو سمجھیں لائبریری سے رومانس سا منسلک ہوتا ہوا بھی محسوس ہونے لگ گیا۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ہمارا سی ایس ایس بھی دھرے کا دھرا رہ گیا اور اس ناکامی کا احساس زیاں تب ہوا جب بیس برس بعد ایک چھچھوندر جیسی شکل والا ایسا پینڈو ہم سے چار درجے اوپر سیکرٹری کے عہدے پر جا پہنچا اور ہم اس کے بلڈی سیکشن افسر ٹھہرے جو اسی لائبریری میں مہیلاؤں کی طرف توجہ نہیں دیا کرتا تھا۔ ہم جب ڈی گراؤنڈ لائلپور کے دارلمطالعہ سے لے کر بولان میڈیکل کالج کوئٹہ، جی سی دھوبی گھاٹ لائلپور، زرعی یونیورسٹی، گھوڑا کالج لاہور اور جناح لائبریری کو کھنگالتے پھلانگتے وارسا زرعی یونیورسٹی کی حسین اور پر رونق لائبریری تک پہنچے تو کچھ کچھ رومانس پر بہار آئی اور ہم خشک علمی رستوں کو رنگین کرتے چلے گئے۔ اور آخر کار وہی ہوا کہ نہ علم ہاتھ آیا اور نہ ہی اس کے بے رنگ رستوں کو رنگین کرنے والے۔ لیکن اس کے باوجود پونڈی اور لائبریری کے باہمی تعلق کا شوق کبھی ماند نہیں پڑا اور اس خیال کو ہمیشہ تقویت ہی ملی چاہے جرمنی ڈنمارک، امریکہ، ترکی یا نیپال کی لائبریریاں ہی کیوں نہ ہوں۔

اسلام آباد شفٹ ہوتے ہی یہاں بھی شاید یہی جذبہ ہمیں لائبریری کی تلاش کی جانب لے گیا اور ہم نے جی الیون مرکز میں سرکاری مطالعہ گاہ ڈھونڈ ہی نکالی جس کا انگلش سیکشن قدرے خواہش

کے قریب نکلا۔ جونہی جی سیون سیکٹر میں رہائش پذیر ہوئے تو وہاں بھی لائبریری ڈھونڈنے نکل پڑے لیکن گوگل ارتھ نے ہاتھ اٹھا کر معذرت کر لی اور ہمیں یہ علاقہ بھی اسلام آباد کا چوہڑ کانا ہی لگا۔ گاڑیوں کی ورکشاپس کا جنگل تو لامتناہی تھا ہی مگر ہمیں تلاش ایک ایسے پتلون والے بابو کی تھی جو کسی لائبریری کا پتہ بتا سکتا ہو۔ یا ایک خواہش کو دکو دکر سر پہ سوار ہو رہی تھی کہ کاش اچانک کسی ناری سے یوں ٹکر ہو جائے کہ جو خود بھی کہیں نزدیکی لائبریری ہی جا رہی ہو۔ اور پھر رررر خیر ایسا تو نہ ہوا مگر بیشمار کالے بھجنگ بھکاریوں سے قدم قدم پر ضرور ٹکریں ہوتی رہیں۔ اچانک گوگل ہمیں ایک ایسی ٹوٹی پھوٹی گلی میں لے گیا کہ جہاں واپڈا کے کسی ریٹائرڈ کلرک نے ذاتی لائبریری بنا رکھی تھی اور آخرت سدھارنے کی اپنی سی کوشش میں اسے اسلامی بھی بنا رکھا تھا۔ موصوف تالا لگا کر غائب تھے شاید کسی اور لائبریری میں اخبار پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ ساتھ فلیٹ میں عرصہ 27 سال سے رہنے والے پٹھان بھائی کو بھی اس اسلامی لائبریری کا پتہ نہ تھا۔ اس غائب مومن لائبریرین نے انٹرنیٹ کی برکت سے گوگل پر تو لکھوا لیا کہ یہاں اسلامی لائبریری موجود ہے تاکہ کل کلاں روز آخرت بل گیٹس کی گواہی دلوائی جا سکے مگر پڑوسیوں کے وقت کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے انہیں جان بوجھ کر نابلد رکھا ہو گا کہ مبادا کوئی کتاب نہ بیچ کھائے۔ تبھی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دے چھوڑا تھا کہ یہاں سپین و ہندوستان پر سینکڑوں سال حکومت کرنے والے عظیم مسلمانوں کی میراث یعنی کتب خانہ بھی پایا جاتا ہے۔ ہاں اس عظیم لائبریری کے دیمک زدہ تالا بند دروازے کے ساتھ کباڑ خانے کے صوفے پر سننے اور بولنے کی صلاحیت سے عاری ایک سو سالہ ہڈیوں کی گٹھڑی پڑی تھی جس نے صرف آنکھیں جھپکا کر اس عظیم خزانے کی موجودگی کی تصدیق کر دی۔ اور بغل والے ایک اور دیمک زدہ دروازے کی جانب بھی نفرت بھری آنکھوں سے بار بار اشارہ کیا جس پر ہم نے امید و بیم کی نازک شاخ پر بیٹھ کر

دستک دی۔ اندر سے نوجوان نسوانی آواز نے ماحول کو قدرے شگفتہ تو کر دیا مگر صوفہ و موصوفہ نے یہی تصدیق کی کہ بابا گھر پر نہیں۔ ہمیں ایک بار پھر یہ لائبریری بڑی رومینٹک لگی اور بات کو طول دینا چاہا مگر 27 سال سے رہائش پذیر واپڈا کا ریٹائرڈ کھمبا ہماری تاک میں یوں جم کر کھڑا ہو گیا کہ شاید پچھلے برسوں کی نامراد لاعلمی کی تکان آج ہی اتارے گا۔ خیر ہم گاڑی میں بیٹھ کر بے دلی سے یوں آہستہ آہستہ رخصت ہوئے کہ جیسے ابھی دروازے کی چلمن سے آواز آئے گی کہ چائے پیتے جایئے بابا آتے ہی ہوں گے۔

پھر ہم نے یہی شغل اپنا لیا کہ گوگل کی طرف سے پھنسائی گئی بند گلی سے جب جب نکلنے کے لئے کسی کی مدد حاصل کی تو ساتھ ہی مفت میں کسی قریبی لائبریری کا پتہ بھی پوچھا کئے۔ ایسے ہی ایک روز یہ شغل فرماتے ہوئے ہمیں جی سیون فور کے ایک پلاٹ میں کنٹینر میں رکھی ایک عدد سرکاری لائبریری نظر آئی جس کے دروازے پر ایک تحریر لٹک رہی تھی کہ لائبریرین کو کورونا ہو گیا ہے لہذا یہ دو ہفتے تک نہیں کھلے گی۔ اور جب کھلی تو پتہ چلا کہ یہاں اوسطاً ایک ڈیڑھ بندہ ہی روزانہ آتا ہے اور وہ بھی اخبار پڑھنے۔ لائبریری میں ایک سالم کرسی رکھی تھی اور ایک بغیر پشت والی۔ جس کے بارے میں لائبریرین صاحب نے فنڈز نہ ملنے کے علاوہ ایک عذر یہ پیش کیا کہ کچھ قریب المرگ بوڑھے اس کرسی پر بیٹھ کر ڈھولگاتے ہی سو جاتے تھے اور ان کے خراٹوں سے مجھے فیس بک کھیلنے میں خاصی مشکل پیش آتی تھی۔ موصوف نے مجھے کسی سرکاری محکمے کا بڑا افسر سمجھتے ہوئے مطالبات کی ایک فہرست پیش کی جسے ہم نے دوبارہ یہاں نہ آنے کے ارادے سے اپنی ڈائری میں پورے انہماک سے کچھ یوں نوٹ کیا کہ لائبریرین صاحب نے نہ صرف موبائل فون کی جان چھوڑی بلکہ سڑک پار ڈھابے سے ہمارے لئے چائے لینے بھی چلے گئے۔ ہمیں ان کی اس علمی محبت مگر شخصی ناشناسی پر البتہ بہت رونا آیا۔ ہم نے تبھی سوچ لیا تھا کہ فرصت ملتے ہی اسلام آبادیوں کے

اس علمی ذوق پر کچھ لکھیں گے لہذا قارئین سے گزارش ہے کہ تھوڑے لکھے ہی کو کافی سمجھیں اور یقین کر لیں کہ گوگل کی موجودگی میں آخر لائبریری کی ضرورت بھی بھلا کیا ہے۔ ہم نے تو بارانی یونیورسٹی پنڈی کی اجاڑ لائبریری میں بھی کئی گھنٹے صرف اس لئے گزار دیئے تھے کہ باہر بارش بہت تھی۔

قبضہ گیر حکومت

کالم 406 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 30، 2021

ہمارے ہاں قبضہ مافیا کچھ اس طرح فروغ پا گیا ہے کہ حکومتی طاقتور ادارے بھی اس لعنت سے مبراء نظر نہیں آتے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ اس قبضے کا تصور ہی حکومتی اداروں نے پیش کیا ہوا ہے جس میں اب مفاد پرست سیاستدان لتھڑے نظر آتے ہیں۔ آج اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کا دورہ کرتے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ یونیورسٹی خود تو ایچ سیکٹر میں منتقل ہو چکی ہے مگر فیصل مسجد میں قائم اپنا سابقہ قبضہ بھی نہیں چھوڑا اور یہ خوبصورت اور وسیع و عریض کیمپس سو فیصد بیکار پڑا ہے۔ فیکلٹی کے دونوں جگہوں پر دفاتر ہیں اور صدر رود دیگر فیکلٹی وغیرہ فیصل مسجد والے دفاتر میں آتے بھی نہیں۔ قبضہ یہاں تک ہے کہ فیصل مسجد سیر کے لئے آنے والوں کو بھی اس کی سیر کی اجازت نہیں۔ مذکورہ یونیورسٹی کے وسیع ہالز البتہ ایک خوبصورت عجائب گھر کا منظر پیش کر رہے ہیں مگر اس لئے بیکار ہیں کیونکہ کوئی وہاں پر نہیں مار سکتا۔

تمباکو نوشی اور پرواز تخیل

کالم 407 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 21ء31

سوشل میڈیا کے ایک دوست مسٹر فیصل عتیق نے کسی فلاسفر کی سگریٹ کے مرغولوں کے پیچھے چھپی تصویر دیکھ کر یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا سگریٹ نوشی اور اچھے مصنف کے درمیان کوئی تعلق موجود ہے کیونکہ اچھے مصنفین کی ایک بڑی تعداد سگریٹ نوش ہے۔ اسکے علاوہ بھی بہت سے رائٹرز تمباکو نوش ہیں۔ کیا تمباکو میں کوئی ایسا کیمیکل موجود ہوتا ہے جو سوچ کے تسلسل کو قوت بخشتا ہے یا یہ محض ایک اتفاق ہے۔ یہ بس ایک طالب علمانہ یا معصومانہ سوال ہے؟

ہم نے حسب عادت جواباً لکھا ہے کہ مسٹر فیصل آپ نے بڑا اہم سوال اٹھایا ہے۔ اگر انٹلیکچوئل برا کی طرح کا ایک سستا نشہ stimulants نہ منائیں تو عرض کروں کہ سگریٹ دیگر محرک ادویات یا ہے۔ اور نکوٹین وٹائین کی وجہ سے وقتی طور پر خیالات پر فوکس رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن ازاں کی سوچ کی بلندی کو دیگر نشوں کی طرح دھڑام سے نیچے گرا دیتا ہے اور انکی رہی سہی "فلاسفر" بعد عقل بھی غائب ہو جاتی ہے جیسا کہ کافی، بھنگ اور ہیروئن کے نشے بعد میں نشئی کو اپنی بنیادی صلاحیتوں سے بھی نیچے جا گراتے ہیں۔

کسی نشے کے سہارے فلسفے کو بھگارا تو جا سکتا ہے جیسے ذیابیطس کو قابو کرنے کے لئے دوا کا مصنوعی سہارا دیا جاتا ہے۔ لیکن محرک دواؤں کا شغلیہ یا کسی ہدف کو حاصل کرنیکے لئے جان بوجھ کر استعمال مستحسن قدم ہرگز نہیں گردانا جاتا بلکہ کھیلوں کی دنیا میں تو محرک دوائیں استعمال کرنے والوں پر

سالہا سال کی پابندی لگا دی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نشہ کر کے عمومی دماغ اور عمومی صلاحیت والے اعلیٰ یا بہتر دماغوں یا متقابل حریفوں (contemporary) لوگ اس کے سہارے دیگر ہم عصر سے سبقت لے جانے کی غیر حقیقی کوشش کرتے ہیں جسے غیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جیسے کسی اعلیٰ پوسٹ پر سفارشی کو بھرتی کر لیا جائے تو وہ کبھی بھی میرٹ والے شخص سے بہتر کارکردگی نہیں دکھا سکتا۔

میری اس طبی، نفسیاتی و سائنسی وضاحت کی اگر تصدیق مطلوب ہو تو کسی بھی نشہ کرنے والے کا نشہ چھین کر اسے اسی پائے کا فلسفہ پیدا کرنے کا ہدف دیدیں تو یقین کریں وہ نا صرف "فلاسفر" سو فیصد ناکام ہو جائے گا بلکہ رہی سہی دماغی صلاحیت بھی کھو بیٹھے گا۔ یعنی عمومی دماغ و صلاحیت والے اپنے دیگر ہم عصروں سے بھی نیچے جا گرے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قارئین و متاثرین کو فلسفے کی موشگافیوں سے غرض ہوتی ہے نہ کہ ان نشہ آور ادویات سے سروکار ہوتا ہے جس میں وہ فلسفیانہ جہتیں وجود میں لائی گئی ہوتی ہیں۔ بعینہ اگر میرٹ توڑ کر کسی غبی کو کوئی عہدہ دے دیا جائے تو عوام اس کے عہدے کو یاد رکھتی ہے، اس کے میرٹ توڑنے کو نہیں۔ اس سماجی وضاحت کے بل پر پھر اگر دیکھا جائے تو دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر، شاعر، ادیب حتیٰ کہ کئی سائنسدان بھی میرٹ توڑے جانے کے مرتکب قرار پائے جائیں گے۔ لہٰذا ہم اکثر اچھے فلسفے اور اچھی شاعری کو قبول کر لیتے ہیں اور اسی فلاسفر یا شاعر کی نشے کی عادت کو اس کا ذاتی فعل قرار دے دیتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہمیں اپنے کسی دل کے مریض پیارے بھائی بند کی زندگی عزیز ہوتی ہے چاہے وہ پیس میکر ہی کے سہارے زندگی گزار رہا ہو۔

مسابقتی دوڑ میں بعض شاعر کسی مشہور شاعر کا حلیہ اور ایک نفسیاتی نقطہ اور بھی قابل ذکر ہے۔ مثلاً روپ دھار لیتے ہیں۔ اس جیسی زلفیں یا دھوئیں کے مرغولوں میں چھپ کر دنیا کو باور کراتے ہیں ہوئے ہیں جیسے فلاں شاعر، فلاسفر یا مجذوب بابا تھے۔ اب اس مذکورہ کہ ہم بھی ویسے ہی پہنچے مشہور شخصیت میں تو شاید ہو ہی جذب کی کیفیت یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہونے کے باعث سوانگ بھرے بیٹھا ہو لیکن اس جیسی شہرت پانے کی خواہش رکھنے والا خوامخواہ ہی اس کے حلیے کی نقل کر کے دیکھنے والوں کو دھوکہ دے رہا ہو گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ اقبال کے ہاتھ پر سر ٹکا کر کسی گہری سوچ والے پورٹریٹ کی اگر میں نقل کر کے اپنی تصویر پبلک کر دوں تو کیا میں علامہ اقبال بن جاؤں گا؟

مجھے امید ہے کہ میری وضاحت کو سائنسی و نفسیاتی دائرے ہی میں رہ کر پڑھا جائے گا اور کسی شاعر ادیب وغیرہ کی ذات پر حملہ تصور نہیں کیا جائے گا

جوں کا توں

کالم 408 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 21ء06

ایف اے او پاکستان کے محترم ڈاکٹر افضل صاحب نے آج پلاننگ کمیشن اسلام آباد کی جانب سے مستقبل میں ملک کی دودھ گوشت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے منعقدہ ایک ورکشاپ میں دعوتِ شرکت دی۔ جہاں ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن جہانزیب خان مہمان خصوصی تھے۔ اس تقریب میں کچھ پرانے ساتھیوں سے بھی ملاقات ہوئی جن میں ڈاکٹر مسرور الٰہی بابر، ڈاکٹر نوید ڈاکٹر تسنیم کوثر، ڈاکٹر خالد جاوید، ڈاکٹر حامد جلیل، ڈاکٹر نیازی، ڈاکٹر ارشد ہاشمی، ڈاکٹر جاوید اقبال، معین الدین، ڈاکٹر فتح محمد اور ڈاکٹر نازیہ شامل تھے۔

کے دور کی پائیریٹڈ GTZ اس ورکشاپ بارے میرے محسوسات یہ تھے کہ جیسے میں 1997ء کے کاپی (مصدقہ نقل) کو دوبارہ دیکھ رہا ہوں۔ وہی 25 سال پرانی تکنیکی ت جاؤ یزنئی عمارت میں بیٹھ کر وہی پرانے (چند نئے بھی) پیشہ ور لوگ دے رہے تھے جو مجھے لگا کہ میں سینکڑوں دفعہ سن چکا ہوں پنجاب کے دودھیل جانوروں کی حالت کم و بیش ویسی ہی ہے جیسی تب تھی۔ "لیکن پاکستان خصوصا سائنسدانوں کا رونا دھونا بھی ویسا ہی تھا بلکہ دو طالع آزما اور مفاد پرست افسران بھی وہی تھے جنہوں نے پنجاب کے غریب محکمہ لائیوسٹاک میں کسی مخصوص مفاد کے تحت 20 برس قبل ہاتھ ملائے تھے اور تب سے اب تک اربوں خرچ بھی ہو گئے، انکی اور چند دیگر افسران کی حالت بھی خاصی بدلی لیکن اگر نہ بدلی تو غریب کسان کی حالت نہ بدلی، کسمپرسی کے شکار جانور بھی وہیں کے وہیں رہے بلکہ محکمے بھی بدستور یتیم کے یتیم رہے اور مفاداتی گروپنگ پہلے سے بھی شدید نظر آئی۔ میں جب اپنی ریٹائرمنٹ کی عمر سے بہت پہلے یہ محکمہ بلکہ ملازمت بھی چھوڑ رہا تھا تو 95 فیصد لکیر کے فقیروں

نے مجھے خاصہ ڈرایا تھا کہ سرکاری ملازمت چھوڑ کر پچھتاؤ گے لیکن اللہ کو حاضر ناظر جان کر بتا رہا ہوں کہ مجھے اپنے فیصلے پر رہ رہ کر فخر ہی محسوس ہوتا رہا کہ کم از میں اپنا ضمیر بچانے میں ضرور کامیاب رہا بلکہ حکومتی فنڈز کی خورد برد میں بھی میرا نام نہیں آیا۔ بہر حال پھر بھی دعا ہے کہ عوام کا غذائی تحفظ کم از کم دودھ، گوشت اور انڈے کی صورت میں ضرور مستحکم ہو کہ جس میں کسان کی حالت بھی بدلے۔ ہماری ساہیوال نسل بھی روزانہ سات آٹھ لٹر دودھ کی اوسط سے اوپر جائے۔ نیز نوجوان سائنسدان پرانی نسل کے سائنسدانوں کے نقش قدم کے برعکس کچھ بہتر کر سکیں۔ آمین

"ماحولیاتی دہشت گردی"

کالم 409 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 21ء06

مندرجہ بالا کالم ماحولیات کے گُروؤں کی مکمل ناکامی کی داستان کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجھے بھی یقیناً عمران خان، امین اسلم، ."اسبغول تے کجھ نہ پھول" دوماہ ان گروؤں کے بیچ رہ کر اندازہ ہوا کہ زرتاج گل، سلمان وڑائچ، نوید ترین، عرفان طارق، فرزانہ الطاف کے علاوہ درجن بھر ماحولیاتی کنسلٹنگ کمپنیوں اور این جی اوز کی سرزمین پر ہوتی ایسی ماحولیاتی دہشت گردی۔۔۔۔۔ اللہ اللہ ایک یونیورسٹی کے جنگلات کے گُرو سے بات ہوئی تو انہیں بلین ٹری اور ٹین بلین ٹری کے منصوبہ جات کے بارے صرف ابتدائی معلومات تھیں جن سے بہت زیادہ میرے پاس تھیں۔ جس سے شبہ ہوا کہ یہ دونوں منصوبے بھی مفاد پرستوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکے ہیں لہذا بقول احمد رشدی:

"ان کا بھی کہیں مجھ جیسا ہی انجام نہ ہو"

(Vegans)سبزی خوری

آسٹریلین نمائندے کی سبزی خوری پر ایک لاجواب پرانی تقریر

«www.wheelercentre.com»

کالم410مترجم ڈاکٹر سلطان محمود

فروری2021ء07

تازہ ترین غذائی تحقیق کے مطابق گوشت کی افادیت ہماری صحت کے لئے عملاً صفر ہے۔ دنیا میں ایک ارب انسان بھوکے ہیں اور سالانہ دو کروڑ غذائی کمی سے مر جاتے ہیں۔ اگر ہم صرف گوشت کی کھپت کا دس فیصد ہی کم کر دیں تو دس کروڑ بھوکوں کو کھانا کھلا سکتے ہیں لیکن اگر گوشت خوری مکمل ترک کر دیں تو پوری انسانیت کو قحط سے بچا سکتے ہیں۔ اگر پوری دنیا کو مغربی انداز میں غذا دینی ہو تو موجودہ زمین کے برابر ایک اور زمین کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے پاس صرف ایک زمین ہے اور وہ بھی مر رہی ہے۔

پیٹر نے حساب لگایا ہے کہ دنیا بھر کی کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں وغیرہ سے خارج ہونے والی زہریلی گرین ہاؤس گیسوں سے پچاس فیصد زاید صرف لائیو سٹاک سے خارج ہوتی ہیں۔

میں نے دنیا کا سفر کر کے دیکھا ہے۔ غریب ممالک اپنی خون پسینے کی کمائی سے اگایا اناج ہمیں بیچ دیتے ہیں جو ہم زیادہ تو اپنے جانوروں کے آگے ڈال دیتے ہیں مگر ان کے بچے ان کے بازوؤں میں بھوکے رہ جاتے ہیں۔ اور جب ہم اپنے جانوروں کو خوب کھلا پلا کر بیٹھے سٹیکس کھا رہے ہوتے ہیں تو

یہ بھوکی انسانیت کے منہ پر ایک طمانچے سے کم نہیں۔ کیا میں ہی اکیلا یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ سب جرم ہے؟

دنیا میں ضروریات پوری کرنے کے لئے تو مناسب مقدار میں غذا موجود ہے لیکن کسی کا لالچ پورا کرنے کے لئے نہیں۔

زیر زمین پانی کے ذخائر جو کروڑوں سالوں میں جمع ہوئے وہ خشک ہونے جا رہے ہیں۔ ایک کلو گوشت پیدا کرنے کے لئے پچاس ہزار لیٹر پینے کا پانی چاہئیے۔ لہٰذا سبزی خور بنیں اور گوشت کو دسترخوان سے غائب کر دیں۔

دنیا کے بعض ممالک نے اتنے بم بنا لئے ہیں کہ سارے کرہ ارض کو برباد کر کے رکھ دیں اور اگر چلا دئے جائیں تو ہم کانسی کے دور میں چلے جائیں۔ مگر پھر بھی ہر کوئی بم خرید رہا ہے کیونکہ یہ ایک صنعت بن چکی ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک اچھی خبر یہ ہے کہ اس صنعت کو بم سے اڑانے کی ضرورت نہیں بس بم خریدنا بند کر دیں۔ بش کا یہ کہنا غلط ہے کہ دہشت گردی کے مراکز ایران، عراق اور شمالی کوریا ہیں۔ دہشت گردی وہاں سے جنم نہیں لے رہی بلکہ ہمارے دسترخوان سے جنم لیتی ہے۔ وسیع تباہی کے ہتھیار بم اور میزائل نہیں بلکہ کھانے کی میز پہ رکھے کانٹے چھریاں ہیں۔

جانور دیگر پسی شیز نہیں بلکہ دوسری قومیں ہیں جنہیں ہم اپنی طمع کی خاطر قتل کر رہے ہیں۔

ہماری تجویز ہے کہ سوئس تھیوری پر عمل کریں کہ جس کے بل پر صحت، ماحولیات اور پانی کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور جانوروں پر ڈھائے گئے مظالم کو بھی بند کیا جا سکتا ہے۔ گوشت ایک طرح کے ایک دو سینٹ والے سکے ہیں جس کی اہمیت اپنے معیار سے بھی کم ہے۔

دنیا کو صحت کا بیمہ کرنے کی بجائے اتنی صحت دے دیں کہ ہسپتالوں میں انتظار کرنے والوں کی لمبی قطاریں غائب ہو جائیں۔ بلکہ لوگ خود بیمار ہو کر نہ مریں بلکہ قبرستان آباد کرنے کے لئے لوگوں کو گولی ماری جانے کی نوبت آ جائے۔

گوشت خوری سے تو دل کے امراض اور کینسر وغیرہ ہو سکتے ہیں کیا کوئی کسی ایک ایسی بیماری کا نام بتا سکتا ہے جو سبزی خوری سے پیدا ہوتی ہو؟ یہ میرا چیلنج ہے۔

امن کا نقشہ کھانے کے مینیو سے بھی بن سکتا ہے۔ امن صرف جنگ کی عدم موجودگی کا نام نہیں بلکہ یہ انصاف کی موجودگی کا نام ہے۔ اور یاد رکھیں انصاف مکمل طور پر اندھا ہونا چاہئیے اور اسے مذہب، رنگ، نسل اور نظر نہیں آنے چاہئیں اور اگر اس نوع کی مخلوق نے انصاف کو ان بنیادوں پر دیکھا تو یہ دہشت گردی کا ایک خوفناک ہتھیار بن جاتا ہے۔ ہمارا انصاف گو اتنا ناموبے جیسے بوچڑ خانے ہیں۔ یاد رکھیں اگر بوچڑ خانوں کی دیواریں شیشے کی ہوں تو آج ہم یہاں بیٹھے ایک دوسرے کو قائل کرنے کے لئے بحث نہ کر رہے ہوتے۔

میرا خیال ہے کہ ایک نئی دنیا بسانا ممکن ہے اور اس کے سانسوں کی آواز مجھے اس رات کی خاموشی میں محسوس ہو رہی ہے۔ برائے مہربانی جانوروں کو کھانے کے مینیو سے غائب کر دیں اور انہیں تشدد و عقوبت کے بوچڑ خانوں سے نجات دلا دیں اور آپ ان کے حق میں ووٹ دیں جن کی آواز ہی نہیں۔ تالیاں۔۔۔۔

"جمعے کی چھٹی کا ممکنہ فیصلہ"

کالم 411 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 07، 2021ء

شنید ہے کہ حکومت کا ارادہ ہے کہ ہفتہ وار چھٹی بروز جمعہ کی جایا کرے۔ یہ سنتے ہی ہمیں یقین ہوتا جارہا ہے کہ ہم ایک احمق قوم ہیں جو ہر دس بیس سال بعد ایک نیا تجربہ کرنے چل پڑتے ہیں اور جونہی کسی ایک فیصلے سے ذرا ٹھہراؤ اور جماؤ نظر آنے ہی لگتا ہے کہ اس فیصلے کو بدل دیا جاتا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ لگ بھگ تیس برس قبل جب جمعے کی چھٹی ختم کر کے اتوار کی چھٹی کا مطالبہ تھا تو یہ وضاحت دی جاتی تھی کہ ہماری معیشت پوری دنیا سے ہفتہ وار تین دن پیچھے چلی جاتی ہے اور ہم عملی طور پر دنیا سے جمعرات کے بعد پیر والے دن جڑتے ہیں۔ ہمارا سوال ہے کہ ان تیس برسوں میں کیا دنیا بدل گئی ہے جو یہ عاقبت نااندیشانہ فیصلہ ہونے جارہا ہے؟ جمعے کی چھٹی کر کے اب بھی ہم ترقی یافتہ دنیا سے تین دن پیچھے ہی رہا کریں گے اور ایسے ہی دنیا کے بقیہ ڈیڑھ سو ممالک سے بھی۔ رہی بات عربوں کی چھٹی بروز جمعہ تو ان کے مالی لین دین سے ہمارا کیا تعلق؟

جمعے کی چھٹی کا تب فائدہ ہو کہ اگر ہماری معیشت دیگر مسلم ممالک سے جڑی ہو۔ لیکن وہاں تو دنیا کے 59 مسلم ممالک خود بیچارے یہودی و نصرانی مارکیٹ سے جڑے ہوئے ہیں بلکہ اب دنیا کے لگ بھگ ڈیڑھ سو ممالک اگلے دس برسوں میں چینی معیشت سے جڑنے جارہے ہیں اور وہاں بھی اتوار

کی چھٹی ہے۔ اگر ہمیں کل کلاں چین کو خوش کرنا پڑا تو کیا بیس برس بعد ہم پھر اتوار کی چھٹی کی طرف لوٹیں گے ؟

اگر تو مقصد ہم نیم مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھانا ہے تو نماز پر زور دیا جائے نہ کہ ہم جیسی بے عمل قوم کو جمعہ والے دن چھٹی دے دیں کہ بڑے بڑے نمازی بھی دوپہر ایک بجے تک پڑے سوتے رہیں۔ اسلامی احکامات میں تو جمعہ والے پورے دن کی چھٹی کا تصور ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ نماز جمعہ کے بعد رزق کی تلاش میں پھیل جاؤ۔

اس مجوزہ قدم سے صرف دو فائدے ہو سکتے ہیں اولاً ہماری ان پڑھ عوام جس کا غالب طبقہ روائتی مسلمان سواد اعظم پر مشتمل ہے کو ٹھیٹھ مسلمان بن کر ووٹ چھینے جائیں اور سدا حکومت کی جائے۔ لیکن یہ ایک توسیع پسندانہ فعل سمجھا جائے گا۔ اور دوم ہفتہ وار کام کرنے کے گھنٹوں میں ایک کا اضافہ ہو جائے کیونکہ جمعہ والے دن چھٹی ہو گی لیکن یہ بھی صرف ملازمین کے لئے۔ وہی ملازمین جو سرکار دربار میں جمعے کی نماز کے بعد ویسے بھی دفتر واپس نہیں آتے۔ وہ اب باقی کے چھ دن ظہر کی نماز لمبی کر لیا کرینگے۔

"عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے"

حکومت عمران تو پہلے ہی اپنی پالیسیوں میں اپنوں اور غیروں کی شدید تنقید کی زد میں رہتی ہے اور لگتا ہے کہ یہ حکومت بے وقوفوں کی طرح اب ایک نیا کٹا کھولنے جا رہی ہے تا کہ پھر مخالفین کو یہ کہنے پر اکسائے گی کہ کہیں یہ پیرنی جی کا حکم تو نہیں ؟ اگر واقعی یہ پیرنی جی کا حکم ہوا تو پھر ہمیں تیار رہنا ہو گا کہ اب قومی ترانے کی جگہ امیر خسرو کی قوالیاں بھی بجانے کا حکم آ سکتا ہے اور شاید قومی ڈش حلوہ قرار دیدیا جائے، قومی ہیرو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، قومی لباس کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح، بلکہ آئندہ چھٹی بھی پیروں فقیروں کے دن یعنی جمعرات کی ہوا کرے۔ اذان ٹی وی سے نشر

ہوا کرے، قومی ناچ دھمال، قومی ساز ڈھول اور قومی تہوار عرس قرار دے دیئے جائیں اور جو خرچہ حج پہ اٹھتا ہو اس کا ڈھائی فیصد بابا فرید کے گلک میں ڈالا جائے۔ قومی اسمبلی میں ملنگوں کی نشستیں مخصوص ہوں، اسلام آباد سیکریٹریٹ پاک پتن منتقل کر دی جائے اور نئی "وزارت عرس" تشکیل دے کر عزت مآب خاور مانیکا صاحب مدظلہ علیہ کو سینئیر وفاقی وزیر مقرر کر دیا جائے۔ وعلی القیاس۔

ایک پنجابی اخوان ہے:

ویکھو جٹی دی عقل گئی۔۔۔
مج ویچ کے گھوڑی لئی۔۔۔
ددھ پینو گئی۔۔۔
لد سٹنی پئی۔۔۔
دلتی کھانی پئی۔۔۔۔

"کہیں چین گوادر ہی لے گیا تو؟"

کالم 412 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 12، 2021ء

اگر چین نے خدانخواستہ براہ راست گوادر پر ہی قبضہ کر لیا تو کیا بنے گا؟ کیونکہ چین افریقہ اور سری لنکا میں ایسا کر بھی چکا ہے۔ دعائیں دیں نواز شریف اور زرداری کو جو ہماری آئندہ نسلوں کو گروی رکھ کر عیاشیاں کر رہے ہیں۔ ہم سب یہ تو مانتے ہیں کہ یہ دھرتی ہماری ماں ہے مگر کسی نے عمران کو باپ بنایا ہوا ہے تو کسی نے نواز و زرداری کو۔ اس لئے ماں کے اوپر ظلم کی داستان جب بھی اٹھائی جاتی ہے تو ہم کج فہم اور احمق ترین لوگ اپنے اپنے باپوں کی مدح سرائی میں گم ہو جاتے ہیں کوئی کہتا ہے یہ بربادی تمہارا باپ لایا اور کوئی مخالف کے باپ کو گالی دینا شروع کر دیتا ہے مگر ماں جو جاں بلب ہے اس کو دیکھنے کی بجائے اپنے اپنے بے غیرت باپ کی مدح سرائی میں لگے رہتے ہیں۔ ہمیں اتنی بھی عقل اللہ نے نہیں دی کہ ہم جس کی تعریف وستائش میں اپنا ضمیر بیچ رہے ہیں اس کی دولت کا ہلکا سا حساب لگا کر دیکھ لیں کہ کہاں سے آئی اور اس بدقسمت عوام کے ہاتھ میں کیا بچا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ دولت ان منصوبوں کی کمیشن سے کمائی گئی جو عالمی بنک اور چین سے قرضے لے کر ان بے غیرتوں نے اپنی جیب میں ڈالی۔ بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ غیر ملکی کمپنی سے بجلی خریدنے کی قیمت دینے کی بجائے اسے اس کی کل کیپیسٹی کا خرچہ دے دیا جائے؟ اور پھر خریدی گئی بجلی کو کہیں بیچا بھی نہ جا سکے تاکہ قرضے کا ہی کچھ حصہ واپس دینے کے قابل ہو جاتے۔ سبھی موجودہ اور سابق ابوؤں کے ناجائز بچے کیا اس سوال کا جواب دینگے؟

"بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا"

کالم 413 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 13، 2021

شہباز شریف کے تقریباً سبھی چھوٹے بڑے تر قاپتی منصوبے غری ضروری اور ماحول دشمن تھے۔ سب سے بری بات یہ تھی کہ خصوصاً سارے پنجاب کا بجٹ صرف لاہور پر بلکہ رائے ونڈ پر لگنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک روز اپنی کسی شاہانہ خواہش کی عدم تعمیل پر وزیر اعلیٰ پنجاب پاکستان کی ممتاز کنسلٹنگ کمپنی نیسپاک سے ناراض ہوئے تو اسی کمپنی کے صدر نائب صدر کے عہدوں سے تازہ ریٹائرڈ مفاد پرست سیاست باز اور بوٹ چاٹ انجینئرز کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور انہوں نے کے اس ایم ڈی کے چھوٹے بھائی کی قیادت میں ایک چھوٹی نیسپاک CAA نواز شریف کے پروردہ تشکیل دے دی جس نے پرویز مشرف کا طیارہ اترنے سے روکا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی 73 کمپنیوں کی طرح چھوٹی نیسپاک نے بھی وہی کام کرنے تھے جس کے احکامات نون لیگ کے بوٹ چاٹنے کے دوران ملتے تھے۔

ہمیں بھی اسی چھوٹی نیسپاک میں بلا لیا گیا اور ماحولیات کا ڈویژن بنانے کا کہا گیا۔ ہماری چونکہ روزی روٹی کا سوال تھا اس لئے ہم نے اپنے خیالات بدلے بغیر اس سارے متعفن ماحول میں ایک الگ سے ماحولیات کا شعبہ بنا کر دکھا دیا۔ اور پانچ برسوں میں کمپنی کو 52 منصوبوں سے 55 کروڑ روپیہ کما ہے جرم ضعیفہ "کر دیا۔ چونکہ باڈی لینگوئج سب کچھ بتا دیتی ہے تو آخر دم تک بوٹ نہ چاٹنے کی سزا "کی سزا مرگ مفاجات

کی طرز پر آخر میں ایک تنخواہ سمیت میری ذمے داری پر کرایے گئے کاموں کا 26 لاکھ روپیہ روک لیا گیا جو ابھی تک رکا ہوا ہے۔ بلکہ اسوقت تو کمال ہو گیا جب اسی ملازمت کے دوران لاہور کے شکر ہے "روزنامہ "جہان پاکستان" میں ہمارا حمزہ شہباز شریف شریف اور راناثناء اللہ کے خلاف کالم چھپا۔ خاندانی بوٹ چاٹوں نے وہ کالم وزیر اعلی ہاؤس تک جا پہنچایا ڈی جی ایس پی آر کی "وہ خواب تھا وساطت سے چیئر مین پی اینڈ ڈی آفس تک جا پہنچا جسے پھر ایک سینیئر بیوروکریٹ کے ذریعے خادم اعلیٰ کی فائل سے غائب کرانا پڑا۔ اللہ کا یہ بھی شکر ہے کہ اس وقت کی حکومت لوٹ مار میں کچھ ایسی ایسے کالم پڑھنے کا شاید وقت ہی نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو ہماری سو کالمز پر مشغول تھی کہ ان کے پاس مشتمل کتاب اشاعت 2016ء میٹھا سچ۔

اب وہ مفاد پرست کمپنی نو من تیل لے کر پھر ایسا حکومتی اشاروں پر ناچی کہ رادھا بھی اپنا ناچ بھول گئی ہو گی۔ وزیر اعظم والی بڑی سیٹ پر بڑی ٹنڈ اور چھوٹی سیٹ وزیر اعلی پر چھوٹی ٹنڈ (سی ٹی بی ٹی) نے برسہابرس پھر ان سات نان پروفیشنل انجنیئرز کے بل پر وہ اودھم مچایا کہ رہے نام اللہ کا۔ لیکن کہتے ہیں اللہ کے گھر اندھیر نہیں۔ انہی ساتوں بوٹ چاٹوں کو تمام تر بے غیرتیوں کے باوجود حمزہ شہباز کو بلٹ پروف گاڑی دینے سے انکار پر 2017ء میں بیک بینی دو گوش کے مصداق شہباز شریف کے زبانی ایک ہی نادر شاہی حکم پر نکال باہر کیا گیا اور تب سے اب تک وہ دلال کمپنی مسلسل زوال کا شکار ہے۔

"چاروں انگلیاں گھی میں" کے مصداق مشاورتی کمپنی بھی شہباز شریف کے انگوٹھے کے نیچے، محکمہ ماحولیات میں بھی اپنے سیکرٹری اور ڈی جی، چینی، ترک اور دو نمبر پاکستانی ٹھیکیدار حمزہ شہباز کے، اور ایل ڈی اے جیسا رکھیل ادارہ بھی اپنا۔ مگر عوام کا سر کڑاہی میں اس طرح کہ وہ سارا پیسہ

قرضے کا تھا جس کا غالب حصہ غیر ممالک میں نون لیگ کے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا اور عوام کی آنے والی نسلیں تک گروی ہوتی چلی گئیں۔ یہ اورنج ٹرین منصوبہ بھی انہی میں سے ایک تھا۔ جس کی ابتدائی شکل کبھی بلیو لائن، کبھی ایلیویٹر ایکسپریس وے، کبھی میٹرو ٹرین اور کبھی کچھ لیکن حرف آخر ان سب زیادتیوں سے بھی زیادہ خوفناک ظلم یہ ہے کہ مقتدر حلقوں کے پاور کوریڈور میں پھر اسی شہباز شریف کا آنا جانا ہے۔ نہ مجرم کبھی پکڑے جائیں گے، نہ ایک دھیلہ وصول ہو کر واپس ملکی خزانے میں جائے گا اور نہ اس بدقسمت ملک سے کرپشن کا خاتمہ ہو گا۔

"نواز شریف بادشاہ کیوں نہ بن سکا؟"

کالم 414 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 2021ء 14

کوئٹہ میں ساڑھے چھ برس میں اس ہزارہ خاندان کے قریب رہا ہوں اور اوریا مقبول سے بہت زیادہ اس خاندان کو جانتا ہوں۔ بلکہ فائز کی چچی جینیفر موسی ہمارے بورڈ آف ڈائریکٹر کی رکن تھیں اور بھائی عظمت میر اساڑھے چار سال باس رہا بی آر ایس پی میں۔ اوریا مقبول بھی تب وہیں ہوتے تھے۔ میرے ایک رشتہ دار عابد جاوید، اوریا مقبول، فواد احمد فواد، طارق سلیم اور تین دوسرے بیوروکریٹ وہاں باری بدل ڈپٹی کمشنر، چیئرمین بلدیہ اور مختلف محکموں کے سیکریٹری وغیرہ بنتے رہتے تھے۔

اس خاندان کی کوئٹہ میں پھیلی کہانیاں ہمیں مرحوم خان اختر خان سنایا کرتے تھے جو بلدیہ کوئٹہ سے میں آ گئے تھے۔ بعض تو اتنی شرمناک ہیں BRSP سیکرٹری ریٹائر ہونے کے بعد ہمارے پاس ہی کہ یہاں لکھ بھی نہیں سکتے۔ ایک بات طے شدہ ہے کہ ایسے لوگوں پر پاکستان میں زوال نہیں آ سکتا کیونکہ یہ دراصل ایک ایسا مافیا ہے جو اپنی طاقت کے حصول میں کسی اصول، ضمیر، عزت یا ایمان کی پرواہ ہرگز نہیں کرتے۔

قاضی عیسٰی نے قائداعظم سے ملنے اور ساتھ رہنے کے لئے ایک جامع منصوبے کے ساتھ پہلے کراچی سے بلئیرڈ سیکھی اور پھر چپکے سے بمبئی کے قائداعظم والے کلب میں جا پہنچا اور یوں مسلم لیگ بلوچستان کا صدر بن بیٹھا۔ اس کے بارے میں قائداعظم نے فرمایا تھا کہ یہ شخص میرے مرنے کے بعد منہ بھی نہ دیکھے ویسے ایسا ہی ان کا ایک فرمان لیاقت علی خان کے بارے میں بھی

تھا۔ عیسٰی کو قائد نے برازیل میں سفیر لگایا تو اس نے پاکستان کی تاریخ کا پہلا چینی کا جہاز سمگل کیا۔ اور بالآخر کراچی ائیر پورٹ سے اسکی جیب سے سمگلڈ ہیرے پکڑے گئے تو دل کے دورے سے وہیں مر گیا۔

عظمت نے 1997ء میں بلوچستان کے عوام کو اس خطیر رقم سے محروم کر دیا جو جرمنی کی طرف سے بلوچستان کے غریب عوام کو بطور امداد ملتی تھی بلکہ سارے پیرس کنسورشیم نے باقی عالمی فنڈنگ ایجنسیوں کو بھی پاکستان کی امداد سے روک دیا۔ اس سلسلے میرا مرتب کردہ قرطاس ابیض (وائٹ پیپر) بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ فائز اور اس کی بیوی سرینا کراچی میں این جی او "شہری" کے نام سے چلاتے تھے اور بیشمار فنڈز خورد برد کرنے کے الزام سے نہ بچ سکے۔ پھر یہ وہیں سے نون لیگ میں گھسے، لندن میں فلیٹس بھی لئے اور فائز براہ راست بلوچستان کا چیف جسٹس بھی بن بیٹھا۔ کیسے بنا اور کس ڈیل کے تحت بنا کم از کم میری سمجھ میں تو آنے والی داستان ہے مگر نون لیگیوں کی سمجھ میں کبھی نہیں آئے گی۔ اسی خاندان کا مشرف کا لگایا وہ وفاقی وزیر تعلیم جہانگیر اشرف بھی ہے جس کا قرآن پاک کے چالیس سپارے والا بیان ابھی کل کی بات ہے۔ وہ تیزی سے پاکستان کے تمام تعلیمی بورڈز کو اسماعیلی سلیبس کے تحت تقریبا کر ہی چکا تھا کہ اللہ کو پاکستان کی بے زبان اور بے علم عوام پر رحم آ گیا۔

ان جیسے سینکڑوں غداروں کو نون لیگ نے بیوروکریسی، عدلیہ، صحافت اور بنیادی جمہوریتوں میں اس لئے پلانٹ کر رکھا تھا تاکہ نواز شریف کو پاکستان کا بادشاہ بنایا جا سکے۔ نواز شریف کی قسمت خراب تھی یا پاکستان کی قسمت اچھی تھی کہ فوج کو خریدنے میں ناکام ہونے کے باعث وہ بم کو دولتی مار بیٹھا اور پھر میٹر الٹا چلنا شروع ہو گیا ہے۔ اب آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

"میرا کراچی"

کالم 415 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 15، 2021ء

ساٹھ کی دھائی میں کراچی کی اٹھان عالمی معیار کے شہر جیسی تھی پھر جونہی سیاست فوج کے ماتحت ہوئی طاقت کا یہ مرکز اسلام آباد منتقل ہو گیا اور کراچی یتیم ہو گیا۔ بھارت سے پڑھے لکھے مسلمانوں کا جو جم غفیر کراچی دار لخلافہ سمجھ کر یہاں آن آباد ہوا تھا ان کا پاکستان میں پاور پالیٹکس کے ذریعے پورے ملک پر حکومت کرنے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ یہی خواب دوسری زبانیں بولنے والوں کا بھی بھرشٹ ہوا اور شہر لاوارث ہوتا چلا گیا۔ ٹرانسپورٹ پر پٹھان قابض ہوئے تو مزدوری اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں پنجابی اکثریت میں آ گئے۔ روائتی سستی کے باعث سندھی سمٹ سے گئے اور پھر پاور پالیٹکس کی غلط فہمی سے کروڑوں کی آبادی تک پہنچ جانے والے اس خوبصورت شہر میں دوسرے فوجی آمر نے ایم کیو ایم کی بنیاد ڈال کر اپنی حکومت کو دوام بخشنے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی۔ جس سے پٹھان، پنجابی، سندھی اور مہاجر کی تقسیم مزید گہری ہو گئی۔ نیز سیاست بھی مذہبی جماعتوں کے ہاتھ سے پھسل کر زبانوں میں بٹ گئی۔ تیسرے فوجی آمر نے اس تقسیم کو بے حد مضبوط کیا اور مہاجر طبقے کو غالب کرنے میں اپنا پورا وزن ڈالا جس کا ضمنی اثر بھتے اور بوری بند لاشوں کی صورت میں نکلا۔ ایک وقت ایسا بھی آ گیا جب جناح پور والی سازش ہوئی اور بھارت کراچی کو پاکستان سے توڑنے کی کوشش میں کامیاب ہوتا نظر آنے لگا۔ یہ سازش ناکام تو ہو گئی مگر ٹائیفائڈ بخار کے ضمنی اثرات کی مانند اس خوبصورت شہر کو تہہ و بالا کر کے رکھ گئی۔ بالآخر جمہوریت نے کروٹ لی تو یہ تین کروڑ کا شہر ڈیڑھ کروڑ والا ثابت کر دیا گیا اور جمہوریت کے ذریعے

لیا گیا اور یہ بدنصیب عروس البلاد سندھی آمریت کے چنگل میں جا پھنسا۔ اب بہترین انتقام کے شہر بھر میں پھیلے کچرے کے پہاڑ اس کی پہچان بنے ہوئے ہیں۔ گو کہ اب بھتے کی پرچی اور بوری بند لاشیں یہاں سے نہیں ملتیں مگر میرا کراچی اب اپنی عالمی شناخت بہر حال گنوا بیٹھا ہے جو اگلے بیس برس میں گوادر کو ملنے والی

ہے۔

"یادِ ماضی"

کالم 416 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 21ء26

میرا زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں گریجویشن کا سری لنکن ہم جماعت سنیل گاماگی آج عمران خان کے دورہ سری لنکا پر بے حد
خوش ہے۔
(اتفاقاً اسی پوسٹ کے دوران اس کی کال بھی آ گئی) پھر اس نے یہ وڈیو کلپ بھیجا تو سنیل کا مندرجہ ذیل پیغام موصول ہوا:
پھر ہم نے اپنے ایک امریکہ میں دوست اکرام الحق کو وہ کلپ بھیجی اور اس کے نتیجہ میں کچھ دیر گفت و شنید ہوئی:

ThanksAkram, he surely is an inspiration to Sri Lanka. We enteric him and regard him as an inspiration. God Bless Pakistan for Imran Khan. I am very proud of my Pakistan. I knew and know. When people ask me why I work so much, I say I was trained in Pakistan. Long live Pakistan.

اس کلپ نے ماضی پر سے کئی پردے ہٹا دیئے ہیں اور مجھے یاد آرہا ہے کہ ہم کبھی عمران کے کرکٹ میچ ہوسٹل میں اکٹھے بیٹھ کر بھی دیکھا کرتے تھے۔ سیشن 1976ء تا 1981ء کی 42 لڑکوں کی جماعت میں آٹھ دوست ایک خصوصی ذہنی تعلق میں
پروئے گئے۔ ڈاکٹر ارشد نے اس گروپ کا نام "دی کرونیز" رکھا اور مجھے بلا مقابلہ چیف بنا دیا۔ اس گروپ کو چار خصوصیات حاصل رہیں۔ ہم میں سے چھ شروع سے آخر تک یونیورسٹی کے سکالرشپ بنائی، سبھی (SAS) ونر رہے۔ ہم نے مل کر فیکلٹی سطح کی پروفیشنل سوسائٹی آف اپنیمل سائنسز بعد میں مختلف ممالک سے پی ایچ ڈی کر گئے اور آٹھوں آج تک رابطے میں ہیں الحمدللہ۔
ہمارے اسی اتحادی اثر کے بل پر یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلباء کی نظر ہم پر پڑی اور اس تنظیم نے ہمیں حمایتی سہارا دیا اور مجھے فیکلٹی یونین میں نائب صدارت کے انتخاب میں مخالف ہم جماعت نواز سعید (جو ازاں بعد محکمہ لائیوسٹاک سے ڈائریکٹر جنرل ریٹائر ہوا) کے مقابل 164 کی فیکلٹی میں سے 155 کاسٹڈ ووٹوں میں سے 103 ریکارڈ ووٹ ملے۔ اگلے برس 1980ء میں مجھے بغیر الیکشن صدر فیکلٹی یونین بنا دیا گیا کیونکہ ضیاء الحق نے بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد طلباء کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔
ہم آٹھ کرونیز میں سے اس وقت چار بیرون ملک مقیم ہیں۔ ڈاکٹر سنیل سری لنکا، ڈاکٹر اکرام اور ڈاکٹر عبدالغفور امریکہ میں اور ڈاکٹر ارشد کینیڈا میں۔ باقی ماشاءاللہ پاکستان میں ہیں اور سوائے ڈاکٹر حسن رضا کے ریٹائرمنٹ کے مزے لینے کے، سب ابھی تک اپنے پیشوں سے جڑے ہوئے ہیں۔
میں نے البتہ نیوٹریشن کے ساتھ ساتھ ماحولیات کی ذرا الگ سے پہچان بنائی ہے۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کیونکہ دونوں سدا بہار مضامین ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق ڈین فیکلٹی کے عہدے سے

ریٹائر ہونے کے بعد بہاوالدین زکریایونیورسٹی میں وزیٹنگ پروفیسر،ڈاکٹر لطیف اسی یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد وہیں وزیٹنگ پروفیسر اور میں آپ کا خادم آپ کے سامنے قلم کا جنگجو۔
سری لنکا نے جس طرح ہمارے وزیر اعظم کے لئے یہ خوش آمدیدی کلپ اپنے میڈیا سے نشر کیا ہے چاہے بحیثیت کرکٹر ہی سہی اس سے ہم بالعموم سبھی پاکستانی مگر کرونیز بالخصوص بہت طمانیت محسوس کر رہے ہونگے سوائے ڈاکٹر ارشد کے۔

رائیٹرز کیفے مقابلہ مضمون نویسی

پاکستان میں ہم جنس پرستی کا معاملہ
کالم 417 از ڈاکٹر سلطان محمود
فروری 2021ء 28

پس منظر

انسان میں جنسی لذت کا حصول ایک جبلی جذبہ ہے جو زیادہ تر جنس مخالف کے پر مسرت اختلاط سے مزین ہے۔ لیکن حضرت انسان کی افتاد طبع اسے روایات کے تحت رہنے سے اکثر اوقات روکتی رہتی ہے۔ لہذا ہم جنس پرستی جیسے غیر فطری کھیل کو بعض لوگ بلاضرورت صرف اس لیے کھیلتے ہیں کہ یہ انہیں تبدیلی کا عمل لگتا ہے نیز یہ لگے بندھے اصالیب سے جان بوجھ کر روگردانی کر کے ذرا مختلف انداز سے جنسی لذت کی مہم جوئی کا نام بھی ہے۔

اس عادت کی ابتدا قدیم مصری تہذیب میں نوجوانوں میں اپنے ہم جنس کی ناک چومنے سے ہوئی مگر ان کی یہ لذت آہستہ آہستہ دیگر جسمانی اعضا کی جانب منتقل ہوتی چلی گئی۔ ہم جنس پرستی کو خصوصی طور پر امریکہ اور اہل مغربی یورپ آزادی اظہار جیسے جذبے کی طرح 1986 تک تو قابل تعزیر ہی گردانتے رہے لیکن 2003 کے آتے آتے انہیں بہر حال اسے قانونی درجہ دینا پڑا۔

جنسی لذت کا جذبہ اوائل عمری میں سن بلوغت کے آتے ہی اس قدر شدید ہوتا ہے کہ نوے فیصد نوجوان لڑکے لڑکیاں ان حالات میں مشت زنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر والدین بروقت ان کی جنسی ضرورت پر توجہ نہ دیں تو یہی خود لذتی ہم جنس پرستی میں بدل کر مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ کئی

عالمی معاشروں نے اس عادت کو مسئلہ بننے سے بچانے کے لئے تادیبی سزاؤں حتی کہ موت کی سزا کا بھی بندوبست کیا لیکن چار ہزار سال کی انسانی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے کو کبھی بھی ختم نہیں کیا جاسکا۔ بلکہ ازمنہ قدیم میں امریکن سوسائٹی میں ایک ایسے مرد کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا جس میں دونوں جنسیات بنائی گئی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کلیسا اور مندر میں نن اور راہب بن کر رہنے کے اعلان کے پیچھے بھی ایسے عوامل کار فرما تھے جس میں بعض مرد و خواتین بظاہر دنیا تیاگ کر دینے کا اعلان کر دیتے تھے لیکن در حقیقت بدنامی کے خوف سے مقدس مقامات کے اندر جنسی عمل بشمول ہم جنس پرستی جاری رکھتے تھے۔

اس عادت کے پیچھے کچھ جبلی و طبی عوامل بھی کار فرما ہوتے ہیں۔ بلوغت کے وقت جنسی ہارمونز متحرک ہو کر یکدم بچوں میں جنسی لذت سے آشنائی پیدا کرتے ہیں لیکن پاکستان میں ان جوانوں کو غربت، مذہبی پابندیوں یا دیگر رسوم کے باعث بروقت شادی یا جنس مخالف مہیا نہیں ہوتی جس پر وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے جنسی اعضاء چھو کر لذت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ اس حرکت پر نہ پکڑے جانے کا خوف ہوتا ہے اور نہ خرچہ اٹھتا ہے اس لئے یہ عادت قانونی ہمسفر ملنے تک جاری رہتی ہے۔ سن بلوغت کی عمر میں مذہبی عقائد بھی راسخ نہ ہونے کے باعث غیر محسوس انداز میں یہ لذت اپنے ان قریبی حلقوں تک جا پہنچتی ہے جہاں زیادہ تر نر اور مادہ کے گروہ الگ الگ ہوتے ہیں۔

ہم جنس پرستی کی تحریک نیز فوائد و نقصانات

ہم جنس پرستی کو جو عوامل تحریک بخشتے ہیں ان میں آزادی، دولت اور دیگر متنوع قسم کے حالات شامل ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس معاملے کو منفی اور غیر اخلاقی عمل ہی سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے

ڈیڑھ ارب قرآن پر ایمان رکھنے والے مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ فعل ہے۔ اسی طرح دیگر آسمانی کتابوں پر یقین رکھنے والوں کی اکثریت بھی اس معاملے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ اس عادت کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے انسانی پیار و محبت کا قدرتی اور فطری جذبہ ماند پڑ جاتا ہے اور انسان آپس میں ہی ایک دوسرے کو ایسی حرکات کے باعث حیوان سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ سوم ابھی حال ہی میں ایڈز اور اسی نوع کی کچھ ایسی لاعلاج بیماریاں بھی دریافت ہوئی ہیں کہ جن کا بڑا محرک ہم جنس پرستی ہی ہے۔

قارئین شاید حیران ہوں کہ کیا اس مسئلے کے اندر کوئی فوائد بھی پوشیدہ ہیں؟ جی ہاں چند ایک ایسے نتائج نوٹ کئے گئے ہیں کہ جن کو ہم فائدہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً یہ عادت اگر وسیع پیمانے پر پھیلتی چلی جائے تو تفنن برطرف اس سے کسی ملک یا بستی کی آبادی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ چونکہ انسان کی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کو ختم کرنا ممکن نہیں یا دنیا کی آبادی گھٹانے کی خاطر اس بارے اگر سوچا جائے تو یہ عظیم ظلم کہلائے گا۔ حالانکہ چند ممالک نے اس ظلم کو مختلف انداز میں جاری رکھا ہے مثلاً حالیہ تاریخ گواہ ہے کہ بھارت میں ستر کی دہائی میں مردوں میں زبردستی نس بندی کی گئی۔ بہت سارے افریقی اور ایشیائی ممالک بشمول پاکستان میں افواہیں اڑائی گئیں کہ پکی پکائی روٹی، ویکسینیشن یا اسی نوع کی دیگر چیزوں اور دواؤں میں مانع حمل دوائیں شامل کی گئیں ہیں۔
یا یورپ و امریکہ وغیرہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں اسقاط حمل کا قانون اجازت دیے کر بھی اسی ظلم کو جاری رکھا گیا ہے۔ بلکہ چین میں کئی دھائیاں شادی شدہ جوڑوں کو ایک بچے تک محدود رہنے پر مجبور کیا گیا۔ چونکہ انسان فطرتاً شرارتی ہے اس لئے آج کل کورونا ویکسین کے خلاف بھی ایسا ہی پروپیگنڈا عام ہے۔ یہ سب عوامل یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسان اپنی ہی آبادی کے بے انتہا بڑھ جانے

سے حاصل شدہ وسائل پر جنگ سے خوفزدہ ہے اور انسان ایک دوسرے سے جسے بیکار سمجھتا یا نفرت کرتا ہے انکی کی آبادی کم رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سفید اقوام کالی، سانولی و پیلی اقوام کی آبادی زیادہ بڑھتی دیکھنا نہیں چاہتے۔ مردوں میں اغلام بازی اور عورتوں میں لیز بین ہونے کے بارے میں ایک اور فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے عورت عورت کے اور مرد مرد کے جنسی جذبات درست طور پر سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کو جنسی لحاظ سے زیادہ مطمئن کر سکتے ہیں۔

کیا یہ ایک مسئلہ ہے اور اگر ہے تو کیوں؟

ہم جنس پرستی کا معاملہ ایک مسئلہ بن کر ہی ابھرتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ عالمگیر مسئلہ ہے تو شاید غلط نہ ہو۔ خصوصاً متمول ممالک میں یہ مسئلہ زیادہ ہے کیونکہ وہاں کی عوام جمہوریت اور معاشی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مذہب کو للکارنا ضروری خیال کرتے ہیں اور اس عادت کا جان بوجھ کر شکار ہوتے ہیں اور یہاں تک کہ بعض ممالک میں لوگ اپنے اس شغل کو پارلیمنٹ تک لے جا کر قوانین منظور کرا چکے ہیں۔ اس معاملے کو شمالی یورپ اور امریکی ریاست کیلیفورنیا وغیرہ میں اس لئے بھی زیادہ اچھالا جاتا ہے تاکہ اسے آسمانی مذاہب کے ارتداد کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ جمہوریت کے جو چند نقائص سامنے آئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محض چند چھوٹے گروہوں کا محدود آزادی کے اظہار کی خاطر قدرت کے اصولوں کے خلاف اقدام جرم کو سرعام مشتہر کر کے مذاہب کو مزید متنازع بنایا جا سکے۔

ذہن میں رکھیں کہ جنسی عمل ایک بالکل ویسا ہی فطری امر ہے جیسے کہ بھوک مٹانے کے لئے کھانا کھانا۔ اس لحاظ سے تو یہ فطری عمل ٹھہرا لیکن یہ مسئلہ تب بنتا ہے جب اس معاملے کے ساتھ منسوب آگاہی کے ساتھ عقل سے نپٹا نہیں جاتا۔ مثلاً مجرد رہنا یا دیر کی شادی وغیرہ۔

ہم جنس پرستی کی نفسیاتی و سماجی وجوہات

Continuous) جاری رکھنے والا جانور ہے۔ لیکن دوسری سبھی مخلوقات موسمیاتی جنسی عمل انسان ایک مسلسل جاری رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انسان بغیر وقفے کے جنسی اختلاط پر (breeding مائل رہتا ہے سوائے کہ عورت ہر تین ہفتے کے بعد تقریباً ایک ہفتہ کے جنسی تطہیری عمل یا پیریڈز کی کیفیت سے گزرتی ہے جو جنسی عمل سے گریز کی سی ہوتی ہے۔ مرد کے مادہ منویہ بننے کا عمل گو کہ چوبیس گھنٹے دن ہے لیکن خون کے خلیوں کی طرح ہر لمحے سپرم خلئے بھی مرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں اور فی اخراج اوسطاً چالیس ملین خلیات کا خزانہ ہر وقت خصیوں میں موجود رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ نوجوانی کی عمر میں تقریباً روزانہ ازدواجی وظیفے پر دسترس رکھتا ہے۔

انسان جنسی آسودگی حاصل کرنے کے لئے تنوع پسند ہے اور ایک ہی جوڑے کا برسوں پر محیط جنسی اختلاط دونوں ساتھیوں کو بے رغبتی یا بدظنی کا شکار سا کر دیتا ہے۔ دونوں جنس مخالف کی ایک دوسرے میں بے پناہ کشش کے باوجود مسلسل ازدواجی وظیفے کے دوران کچھ ایسے ناپسندیدہ جمالیاتی عوامل سرزد ہوتے ہیں کہ انتہائی کشش کے باوجود دونوں میں بدظنی کا دور چند ماہ کے اندر اندر ہی شروع ہو جاتا ہے۔ چند مثالیں عرض کرتے ہیں۔ اولاً مرد عورت کا ایک دوسرے کو مکمل برہنگی میں دیکھنا نفسیاتی طور پر کچھ زیادہ کشش کا باعث نہیں ہوتا بہ نسبت نیم برہنگی کے۔ اور یہ کشش بھی پھس پھسی ہو جاتی ہے مکمل اخراج کے بعد۔ دوم مرد کو اپنی جانب راغب رکھنے کے لئے عورت کو

زیادہ جتن کرنے پڑتے ہیں لیکن اس کی روزمرہ کی ذمہ داریاں اسے اس قابل نہیں چھوڑتیں کہ وہ مرد کو ہر لمحے لبھاتی رہے۔ سوم اکثر عورتیں شادی کے بعد جلد حاملہ ہو جانے کے باعث بھدی یا بے کشش ہو جاتی ہیں یا پھر وہ اپنے اندرونی محسوسات کے باعث مرد سے ذرا دوری چاہتی ہیں۔ چہارم حمل کے آٹھویں مہینے سے لے کر بچے کی پیدائش کے دوسرے مہینے تک عورت اس مرد کو پرے رکھتی ہے جو ممکن ہے روزانہ وظیفے کا عادی ہو۔ ان عوامل کے باعث مرد کی دوسری عورتوں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ وجہ نزاع بھی بن سکتی ہے۔ پنجم بچے کی پیدائش سے ایک ڈیڑھ برس تک بچے کی تمام تکالیف اکیلی عورت ہی برداشت کرتی ہے اور مرد بہت کم اس میں حصہ ڈالتے ہیں۔ بدظنی کی چھٹی وجہ عورت کا جنسی عمل میں صبر و استقامت اور نکتہ عروج نہ حاصل کرنے کے باوجود مطمئن رہنا ہے حالانکہ جنسی طاقت میں مرد کی نسبت عورت کی شدت زیادہ طوالت والی ہوتی ہے۔ یہ چیز مرد عورت میں دوری کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ کیونکہ عورت کو مرد میں اپنی غرض پوری کرنے کا رجحان اور اس کے جذبات سے صرف نظر کرنا برا محسوس ہوتا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جیسا گھر سے باہر جاتے ہوئے اس میں تازگی ہوتی ہے وہی ازدواجی وظیفے کے اوائل میں بھی ہو۔ لہذا مرد کے منہ اور جسم کی بو یا دن بھر کے بدبودار کپڑوں سے ہی یہ وظیفہ ادا کرنا بہت جلد عورت کو اپنے جیون ساتھی سے لاپرواہ کر دیتا ہے۔ ان سب عوامل سے جنس مخالف میں جو بدظنی کا پہلو برآمد ہوتا ہے وہ سب کچھ ہم جنس پرستی میں عموماً نہیں ہوتا لہذا بہت سے لوگ اپنی خواہش پوری کرنے کی خاطر کوئی اپنے جیسا ڈھونڈتے نظر آتے ہیں جسے ہم جنسی کی عادت کا ابتدایہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

ہم جنس پرستی میں ایک اور بڑی وجہ مرد عورت کی میڈیا کے ذریعے پھیلائی گئی جنسی بے راہ روی کی ترغیب بھی ہے اور نت نئے طریقوں سے آشنائی بھی ہے کیونکہ ایسی غلط کاری کو دونوں میں سے

کوئی بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔ البتہ زناء کی اس عادت کو دونوں بھانپ جاتے ہیں اور پھر سرد جنگ اکثر گرم جنگ میں بھی بدلتی رہتی ہے۔ بیرون ملک ملازمت بھی ایک ایسی وجہ ہے جس میں خصوصاً شادی شدہ لوگ بظاہر بندھن میں تو بندھے رہتے ہیں لیکن عملاً زناء کا شکار ہو کر بھی چاہتے بھی یہی ہیں کہ ازدواجی معاملات خراب نہ ہوں۔ ایسے حالات میں بھی محفوظ جنسی لذت ہم جنس پرستی سے ہی مل سکتی ہے۔ عورت مرد دونوں چونکہ اپنے جنسی پارٹنر میں اشتراک برداشت نہیں کرتے اور اوپر سے اگر ذہنی ہم آہنگی بھی نہ ہو تو اکثر اوقات دونوں سماج کی خاطر برسوں ایک چھت کے نیچے اجنبیوں کی طرح پڑے رہتے ہیں۔ دونوں کی اس سماجی دوری میں زیادہ تیزی حالیہ برسوں کے سوشل میڈیا دور میں آئی ہے خصوصاً ان گھرانوں میں جہاں عورت روزگار کمانے کے قابل ہوئی ہے نیز اسے شادی کے بعد بھی والدین کی طرف سے مدد ملنے کا آسرا دیا گیا ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے کے پچاس فیصد شہری علاقوں میں دیر سے شادی ہونا اک رواج سا بن گیا ہے۔ لڑکے لڑکیاں تو دس بارہ برس کی عمر سے ہی ہارمونز کے زیر اثر جنسیات کو محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن جب والدین انہیں تیس برس کی عمر تک کنوارہ رکھتے ہیں تو اس جنسی طور پر مظلوم طبقے میں دو تین طرح کے رجحانات تشکیل پاتے ہیں۔ ڈرپوک طبقہ مشت زنی تک محدود رہتا ہے، دوسرا ذرا سا خود مختار طبقہ میڈیا کے بداثرات قبول کر کے جنس مخالف سے ناجائز تعلقات بنا لیتا ہے۔ خصوصاً وہ لڑکیاں جو روزگار کی خاطر باہر نکلتی ہیں وہ اپنا خرچہ پورا کرنے کے لئے جب غیر مردوں سے جنسی اختلاط کرتی ہیں تو کچھ شکوک کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مثلاً حمل کا خوف، مانع حمل ادویات کے ضمنی اثرات کا ڈر نیز زیادہ ڈر اس بات کا کہ کہیں یہ ادویات جعلی ہی نہ ہوں۔ ایسی مشکوک صورتحال میں پھر وہ لڑکی اپنے جیسی کسی دوسری لڑکی سے جنسی تعلقات استوار کی جانب مائل ہو سکتی ہے۔

لڑکے ذرا جلد ہم جنسیت کا شکار ہوتے ہیں اور وہ بھی ایسا گروہ جن کے ساتھ بچپن میں جنسی زیادتی کی جاتی رہی ہو۔ پھر اگلی بات ان کا اس لذت سے آشنا ہونا جس میں نچلی جانب سے دخول سے جب ان کی پراسٹیٹ گلینڈ پر مسلسل ضرب لگتی ہے تو وہ ایک دم سے اخراج کی بجائے آہستہ آہستہ اخراج کی طرف جانے سے زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں۔ بس پھر وہ یہ عادت ترک نہیں کر سکتے بلکہ اکثر اوقات شادی کے بعد ناکام ثابت ہوتے ہیں اور شادی کے باوجود ادھیڑ عمری تک نوخیز بچوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

کیا ہم جنس پرستی نفسیاتی و طبی بیماری ہے؟

ہم جنس پرستی نفسیاتی و طبی بیماری سے زیادہ ذمہ داریوں سے فرار اور سماج کے جبر کا نام ہے۔ اس لئے اسے ذہنی بیماری کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

ہم جنس پرستی اور پیڈوفیلیا کا باہمی تعلق

ان دونوں کا آپس میں صرف یہ تعلق ہے کہ سوشل میڈیا میں پورن فلموں کی جانب سے جب سے قیمت ملنی شروع ہوئی ہے تب سے بچوں سے بدفعلی کی قبیح مہم منظم طریقے سے آگے بڑھی ہے۔ پیڈوفیلیا عیاشی سے زیادہ کاروباری عمل ہے جس کی بیرون ملک چند طبقات میں مانگ زیادہ ہے۔

کیا ہم جنس پرستوں کو اسی رجحان پر چھوڑا جا سکتا ہے؟

گو کہ ہم جنس پرستی کے معاملات کو دنیا میں کہیں بھی مکمل طور پر قابو نہیں کیا جا سکا لیکن ایسے لوگوں کو ان کے اس رجحان پر بے لگام نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ اس معاملے سے کوتاہی ہم جنس پرستوں کی صحت کے اصولوں سے انحراف ہے جیسا کہ کسی علاقے یا معاشرے میں ایڈز پر قابو پانا۔ بلکہ اس رجحان کو بروقت قابو نہ کرنے سے پورا معاشرہ ویسی ہی اخلاقی گراوٹ کا شکار سمجھا جاتا ہے جیسے شمالی یورپ کے ممالک یا امریکہ کا سان فرانسسکو سمجھا جاتا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ انسانی حقوق کی کچھ تنظیمیں مغرب کی طرز پر ہم جنس پرستی کو بھی انسانی حق منوانے کے لئے میدان میں نکل آئیں لیکن ان سے ایک مدبرانہ ڈائیلاگ اگر اس بیانئے پر کیا جائے کہ جس فعل کو وہ انسانی حق سمجھ رہی ہیں کیا وہ یہی حق اپنے بیٹے، بیٹی، خاوند یا بیوی کو بھی دینا چاہیں گے؟ ہمیں یقین ہے کہ ان کے ہاتھ سے موم بتیاں گر جائیں گی۔

اس سماجی بیماری کا علاج

ہم جنس پرستی جیسی ذہنی بیماری کے خدوخال زیادہ تر نفسیاتی بیماریوں جیسے ہیں اس لئے اس کا علاج بھی ذہنی سطح پر شعور اجاگر کرنے پر ہی مبنی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل ایسی کوششیں ہیں کہ جن کے ذریعے ہم اس معاملے پر مکمل نہ سہی لیکن جزوی قابو ضرور پا سکتے ہیں:

1 بچوں کی جلد شادیاں اس مسئلے کا ایک جزوی حل ہو سکتا ہے جو ضروری نہیں کہ مکمل کامیابی دلا سکے۔ یہ حل کچھ اس لئے بھی زیادہ کامیاب نہیں کیونکہ شہری علاقوں کی سطح پر

کافی مدافعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مہنگائی اور دیگر سماجی مسائل نے زیادہ تعلیم اور روزگار کی تلاش کو اولیت دے دی ہے۔

2 نصاب اور میڈیا کے ذریعے مثبت اور صحت مندانہ تشہیر زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے جس میں ہم جنس پرستی کے نقائص سے عوام کو آگاہی حاصل ہو۔

3 ہم چونکہ اس معاملے کو نفسیاتی بیماری قرار دے چکے ہیں اس لئے ہم جنس پرستی کا بھی دیگر نفسیاتی بیماریوں کی طرح علاج تجویز ہو۔ مثلاً جہاں کونسلنگ یا مشاورت سے مسائل حل ہو سکتے ہو یا کم از کم ان مسائل کی شدت کم کی جا سکتی ہو، کر لی جائے۔ اور جہاں دوا یا سرجری کی ضرورت پڑے وہاں وہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

4 تادیبی عوامل بھی اس مسئلے کو کم کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر ہم جنس پرستی کو قابل تعزیر جرم بنایا جائے تو اس کی سزا ذرا سخت قسم کی رکھی جائے مثلاً عمر قید یا سزائے موت۔ اور کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ عملدرآمد نیک نیتی سے کیا جائے۔

5 ہم جنس پرست کی سماجی ناکہ بندی یا سوشل بائیکاٹ ایک بہت تیر بہدف علاج ہے لیکن اس کے لئے ملزمان کے خاندانوں کا تعاون ضروری ہے اور یہ تعاون بغیر آگاہی کے ملنا ممکن نہیں۔ معاشرے میں تصور راسخ کیا جائے کہ اس جرم میں سزا یافتہ کے ساتھ کوئی شادی نہیں کریگا یا اگر ملزم شادی شدہ ہے تو اس سے طلاق لے لی جائے یا دے دی جائے۔

6 معاشرے کے ایسے طبقات جو مذہب سے زیادہ قریب ہیں ان پر دباؤ ڈالنے کی بجائے انہیں آسمانی احکامات کے حوالے دیئے جائیں۔ لیکن ایسے طبقات جو مذہب سے دور ہیں

یعنی بہت امیر اور بہت غریب، انہیں سماجیات پر اس معاملے کے مضر اثرات پر ہمنوا بنایا جاسکتا ہے۔

7 سبھی سزاؤں میں سے ایک یا زیادہ کو ملا کر بھی اس مسئلے کی شدت کو کم کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔

انتظامیہ دی رائٹرز کیفے متوجہ ہو
کالم 418 از ڈاکٹر سلطان محمود
یکم مارچ 2021ء

ہم نے کل ایک مضمون مقابلے کے لئے اس گروپ میں بھیجا بذریعہ ای میل۔ مگر اس میں ہمارے نام کے ساتھ کسی لڑکی کے نام کے دستخط بھی پہنچ گئے جس سے رائٹرز کیفے کے ایڈمن کو الجھن محسوس ہوئی۔ اس پر ہم نے مندرجہ ذیل معذرتی نوٹ بھیجا۔
میں سلطان محمود عاقل بالغ اور بقلم خود بھی ہوں۔ مزید برآں میں اللہ کے بعد گروپ انتظامیہ کو حاضر ناظر جان کر بقائمی ہوش و حواس حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ہرگز مذکورہ لڑکی نہیں ہوں وہ معصوم تو میری آفس سیکرٹری ہے جس کے ذمے صرف مضمون ای میل کرنا تھا۔ بلکہ سینکڑوں اراکین گروپ کو رب کا واسطہ دیتا ہوں کہ گروپ ایڈمن کو سمجھائیں کہ موصوفہ نے تو میری صنف کرخت کو نہیں بدلا اور میرے نام سے ہی مضمون بھیجا تھا تو انتظامیہ کیفے کیوں ہمیں صنف نازک میں بدلنے پر تلی بیٹھی ہے؟ اگر صنف ہی بدلنا ہمیں موافق ہوتا تو ہم بھی اپنی فضول پوسٹوں پہ سینکڑوں لائیک نہ لے لیا کرتے لڑکی بن کر؟
موصوفہ جہاں کہیں بھی ہو خاطر جمع رکھے کہ اگر اس نے شرارت سے بھی ہماری شب و روز کی محنت سے لکھے مضمون کا کریڈٹ لینے کی کوشش کی تو پھر اسے کمپنی کی جانب سے شوکاز جاری کرنے سے کوئی نہ روک سکے گا بلکہ وہ شوکاز اگر ای میل ہوا تو اسے خود اپنے ہی بے قابو ہاتھوں سے خود کو بھیجنا پڑے گا بھلے سے وہ اس وقت گھر میں جھاڑو پوچا ہی کر رہی ہو۔

دی رائٹرز کیفے کی اس الجھن سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ محترمہ خاصی نالائق ہے جو مابدولت کے مضمون کو بھیجتے وقت اپنا نام مٹانے کی حکمت نہ سمجھ سکی اور اس پاداش میں بحکم ایم ڈی صاحب بہادر اس کا حقہ پانی تین دن کے لئے نہ صرف بند کیا جاتا ہے بلکہ اس کی اصلاح احوال کی خاطر اسے فوری طور پر دی رائٹرز کیفے میں اس کے اپنے رسک پر بھیجا جاتا ہے تا کہ کچھ عقل مات سیکھ سکے۔ ورک فرام ہوم کا یہ بھی ایک منفی پہلو ہے کہ ملازمین آٹا گوندھتے جب میلز کرتے ہیں تو ان کے کانوں میں امی کی پھٹکار گونجنے کی وجہ سے گروپ انتظامیہ کو کچھ ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

موصوفہ اگر یہ پڑھ رہی ہو تو فوری طور پر کان پکڑ کر انتظامیہ کیفے کے روبرو حاضر ہو کر اپنی نالائقی اور ہماری معصومیت کی گواہی دے ورنہ ہم کوئی اور سخت سزا دینے کے علاوہ اسے معاف بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر ہمارے مضمون کو انتظامیہ نے ہمارا نہ سمجھا یا مقابلے سے باہر کیا تو پھر تو اس کی بالکل خیر نہیں۔ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالا جا سکتا ہے۔ مگر نکال کر اس کے ساتھ سلوک کیا کرینگے اس کا واللہ ہمیں بھی پتہ نہیں۔

ایک وضاحت ہماری جانب سے بیچاری سیکرٹری کی معافی کے لئے البتہ کی جا سکتی ہے کہ اسے شاید ہمارا جنس پرستی کا معاملہ والے موضوع "پاکستان میں ہم جنس پرستی کا معاملہ" سے کہیں اختلاف نہ ہو اور اس نے جان بوجھ کے ہمیں مقابلے سے باہر کرانے کے لئے کوئی سازش نہ سوچ رکھی ہو۔ کیونکہ ہمیں شک ہے کہ وہ ہمیں اس قدر محقق ہرگز نہیں سمجھتی۔

منجانب

قہر بر جان درویش

سلطان محمود علیہ ماعلیہ

کالم 419 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 07ء2021

میری زندگی کا تو شاید یہ آخری موقعہ ہی ہو کہ ملک میں کچھ اچھا ہوتے دیکھوں اور شاید یہ حسرت پوری ہو سکے کہ پاکستان اندرونی نظام میں مضبوطی اور بیرونی دنیا میں بے حد عزت اور وقار حاصل کر پائے۔ میں چونکہ ذاتی پسند ناپسند سے اوپر رہ کر صرف قوم کے لئے ہی سوچنا چاہتا ہوں اس لئے مجھے بھٹو، زرداری، نواز، شہباز، ضیاء، ایوب، مشرف، فضل الرحمان و عمران وغیرہ کی شکلوں سے بلند تر ہو کر ان کی پالیسیوں سے پہنچنے والے عوامی فوائد و نقصان پر ہی نظر رکھنی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بد قسمتی سے ہمارے پڑھے لکھے لوگ بھی کم تربیت کے باعث شکلوں سے نفرت یا محبت کرتے ہیں۔ ویسے تو وہ سبھی میرے قابل احترام دوست ہیں۔ ان میں سے زیادہ رابطے میں رہنے والوں کو میں نے پہلی بار اپنی کسی پوسٹ میں ٹیگ بھی کیا ہے اور مقصد صرف ایک ہے کہ ہم پڑھے لکھے لوگ کچھ معاملات میں فرق سمجھ سکیں اور ایک صفحے پر رہ سکیں۔

مجھے ایک چیز کی خواہش رہی ہے کہ ہم برائیوں کے خلاف متحد رہیں بھلے سے نظریاتی اختلاف بر قرار رکھیں۔ آپکی اجازت سے پہلے کسی فلاسفر کا ایک قول پیش کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اس پر ضرور غور کر لیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گھٹیا لوگ شکلوں اور ذاتی خصائل پر بحث کرتے ہیں (مثلاً کسی کو چرسی یا زانی کہنا، گنجا، پٹواری و یوتھیا وغیرہ کہنا)، درمیانے درجے کے لوگ کردار، واقعات و موسم

کی بات کرتے ہیں (مثلاً بھارتی و یہودی ایجنٹ کہنا، بیویوں کی تعداد جتلانا، بہنوں یا بیٹوں کا ارب پتی ہونے کا تذکرہ کرنا)، اعلیٰ درجے کے لوگ پالیسی پر بات کرتے ہیں (مثلاً غریب زیادہ غریب اور امیر کیسے زیادہ امیر ہوا، ملک کی توقیر عالمی سطح پر کیوں کم یا زیادہ ہوئی، امن و امان کی صورتحال کیسی ہے، معیشت کیوں بگڑی یا بنی اور ہمارا مشترکہ دشمن کون ہے) لیکن وہ فلاسفر کہتے ہیں کہ جینیس خاموش رہتے ہیں کیونکہ وہ وقت کا انتظار کرتے ہیں جو خود بخود متذکرہ اقسام کے طبقات کو جواب دے دیتا ہے۔ اب کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ ہم سب کس کیٹیگری میں ہیں؟ سبھی بے حد اچھے ہیں مگر جس نے ایک بار بھی کسی بھی سیاسی رہنماء کے بارے گھٹیا الفاظ استعمال کئے ہوں وہ دل کھول کر اپنے آپ کو اسی کیٹیگری میں تسلیم کرلے۔ سب سے پہلے میں تسلیم کرتا ہوں کہ دس بیس فیصد میرا شمار بھی گھٹیا کیٹیگری کے لوگوں میں ہوتا ہے کیونکہ لفظ چور کا استعمال میں نے بھی کئی بار کیا ہے۔ ہم سب قابل معافی ہیں کیونکہ جرمن فلاسفر ہیگل نے کہا تھا کہ معاشرے میں جو کام 99 فیصد لوگ کرتے ہیں باقی کے ایک فیصد بھی ویسا ہی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انسان متنوع خصائل کا مجموعہ ہے اس لئے وہ اپنی ذہنی حالت کے مطابق ان چاروں کیٹیگریز میں گھومتا پھرتا رہتا ہے۔

اب آتے ہیں موجودہ وزیر آعظم عمران خان کی پالیسیوں کی جانب۔ عمران سے بلاشبہ بیشمار پالیسی غلطیاں سرزد ہوئیں مثلاً مافیاز کی خلاف یکدم اعلان جنگ مگر کچھ کو ساتھ بھی رکھ لینا، غلط اور نااہل ساتھیوں کا انتخاب، بیوروکریسی کو بلاحکمت دباؤ میں لانا، پنجاب میں نامناسب وزیر اعلیٰ لگانا، معیشت کی بے لگامی، تاجروں سے ٹیکس مانگنا نیز ضرورت سے زیادہ سچ بولنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں کووڈ

کی وبا سے ٹکراؤ کے باعث معیشت پر منفی دباؤ میں آجانے کا قصور بھی اسی پر ڈال دیا جاتا ہے۔ ان عوامل کے باعث ملک کے طول و عرض سے گالیاں سن کر البتہ اس میں برداشت کی طاقت تو لگتا ہے کہ کافی موجود ہے لیکن اس کے حامی بسا اوقات ضرور دباؤ میں آئے رہتے ہیں۔ ہم صرف صرف نظر کرتے چلے آرہے ہیں کہ بیشمار سوشل میڈیا کے دانشوروں کا آئی کیو لیول اتنا کم ہے یا تعلیم اتنی مناسب سی ہے کہ اکثر اوقات بیچارے اپنے تجزیات میں ذاتی سوچ کا تڑکہ لگا بیٹھتے ہیں اور صاف نظر آجاتا ہے کہ ان کا معاشرے کے کس طبقے سے تعلق ہے۔

مگر کبھی کبھی تسلی بھی رہتی ہے کہ جب سارا سماج کسی ایک شخص کے خلاف ہوتا ہے تو تاریخ نے ثابت کیا ہے کی وہی بندہ سرخرو ہو کر بھی نکلتا ہے۔ مثال کے طور پر اوائل اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا برا بھلا کہا گیا نعوذ باللہ، سوشل بائیکاٹ تک ہوا اور ان کا ساتھ دینے والوں پر بڑے بڑے تشدد ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ کو تو مصلوب بھی کر دیا گیا اور یہودیوں نے انہیں کہیں بھی چین نہیں لینے دیا۔ نیلسن مینڈیلا کو 27 برس قید میں رہنا پڑا، بیوی بچے اسے چھوڑ گئے اور اس پوری مدت میں اس کے خلاف پورا میڈیا چیختا دھاڑتا رہا۔ گاندھی کو تو قتل تک کر دیا گیا اور اس پر طرح طرح کے الزامات بھی لگے۔ کارل مارکس کو اس کے آبائی ملک سمیت کسی نے ٹکنے نہیں دیا، اسے عدالتوں میں گھسیٹا گیا اور بار بار ملک بدر کیا جاتا رہا۔ طوالت سے بچنے کے لئے باقی امثال نہیں دی جا رہیں اور آپکے علم کے بھروسے پر چھوڑی جاتی ہیں۔

قصہ مختصر اگر ایک ایسے معاشرے کے کم و بیش تمام طبقات سے عمران کی ایک جیسی مخالفت کی جا رہی ہو تو سمجھ لیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے جانے کے قریب ہے لہذا عمران کا سرخرو ہو کر نکلنا

اٹل لگنے لگ گیا ہے۔ اور یہ میں اس حقیقت کو مد نظر رکھ کر بات کر رہا ہوں کہ جب معاشرہ بھی وہ ہو جس میں سارے کے سارے طبقات یکمشت بے ایمانی پر ہاتھ ملا کر متفق ہو جائیں اور ذاتی مفادات میں بیوروکریسی، صحافی، سیاستدان، ملا، تاجر وغیرہ کا کارٹل بن جائے تو پھر قدرت جوش میں آکر صادق کا ساتھ دے کر اسے فتح یاب کراتی ہے۔ کہنے کو ہم ہیں تو سارے کے سارے مسلمان مگر ایمانداری میں ہم دنیا کے آخری دس ممالک میں کیوں ہیں؟ آدھی عوام پڑھی لکھی تو ہے لیکن جعلی ڈگریوں سے بھری پری پارلیمان اور سرکاری ادارے کیسے بن گئے؟ ایک چوتھائی لوگ ماشاءاللہ حاجی بھی ہیں لیکن سارے کے سارے کاروباری معاملات میں بے ایمان اور ٹیکس چور کیوں ہیں؟ ان حالات میں ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمران کی للکار پر سبھی مافیاز نے آپس میں گٹھ جوڑ کیوں کر لیا ہے؟ مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ ہم اعلی تعلیم یافتگان کس وجہ سے ایک صفحے پر کیوں نہیں۔

حرف آخر کے طور پر عرض ہے کہ ہم سب ذہن وسیع رکھیں، نگاہ بلند، سوچیں شخصیات کے طلسم یا بغض سے پاک نیز سخن بھی دلنواز رکھیں تاکہ ہم بداخلاقی سے بچتے ہوئے ملکی مفادات کو پرکھنے کی صلاحیت سے مالامال رہ سکیں۔ ہم بھلے سے عمران کی مخالفت ہی کریں کوئی حرج نہیں لیکن خیالات و تجزیات میں گہرائی اور گیرائی نظر آنی چاہئیے نیز دلیل میں تضحیک کی بجائے جان ہونی چاہئیے۔ حب الوطنی نظر آنی چاہئیے اور کم پڑھے لکھے یا ان پڑھ عوام کے ذہن کو درست علم کے چراغ سے روشن کرنے پر کمربستہ نظر آنا چاہئیے۔ اللہ ہمارے وطن کو بہترین ممالک میں سرفہرست کر دے۔ آمین۔

ہم شوگر کوٹڈ مسلمان

کالم 420 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 21ء22

چونکہ ہر کوئی نہ تو مکمل نیک ہے اور نہ مکمل بد اس لئے آج اپنے کالم کے نمبر 420 کی وساطت سے ہم نے سوچا کہ چلو ہم آج کے دور میں بسنے والے اپنے جیسے شوگر کوٹڈ مسلمانوں کا احاطہ کرتے ہیں جو پارٹ ٹائم نیک تو ہیں مگر فل ٹائم شیطان بھی ہیں۔ یعنی ہم ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے عیسائی یا ہندو بس فرق اگر ہے تو وہ محض ہماری نمازوں کا ہے۔ وگرنہ ہماری شکلیں، لباس، اشغال و کردار سے تو شاید ہی اندازہ کر پائے کہ ہم مسلمان بھی ہیں یا نہیں۔ اگر فرق محض نمازوں کا ہی ہے تو انہیں پھر اتنا معیاری ہونا چاہئیے کہ بقول ارشاد نبوی کہ قیامت کے روز ہماری نمازیں اٹھا اٹھا کر کہیں ہمارے منہ پر ہی نہ دے ماری جائیں۔ اب قارئین کو گراں نہ گزرے تو اپنے دل پر ساری تحریر لینے کی بجائے مندرجہ ذیل گروہوں میں سے اپنے آپ کو ڈھونڈیں کہ ہم کہاں پائے جاتے ہیں۔ پہلا گروہ ان نیکوکاروں کا جو احکامات خداوندی بجالاتے ہوئے ان دس فیصد بنیادی احکامات پر بھی عمل کرتے ہیں جو عبادات خداوندی سے متعلق ہیں مگر اس کے ساتھ دیگر نوے فیصد ایسے احکامات الٰہیہ کو بھی بجالاتے ہیں جن کا تعلق انسان سے انسان کا ہے۔ یقیناً یہی مومنین ہونگے مگر یہ پیارے لوگ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ ان بدنصیبوں کا ہوگا جو اللہ کے دونوں طرح کے

احکامات سے سرکش ہیں اور یہ گروہ بھی ہمارا موضوع نہیں۔ تیسرا گروہ ہے جو دس فیصد عبادات کے تو دھنی ہیں مگر دیگر نوے فیصدی انسانی معاملات میں چور نظر آتے ہیں۔ انہی کی ایک قسم ہو لوگ بھی ہیں انہی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دین کے بنیادی احکامات عبادت کے تو چور ہیں لیکن انسانی لین دین کی طہارت پر نسبتاً زیادہ کاربند رہتے ہیں۔ یہی پارٹ ٹائم نیک یا پارٹ ٹائم بدوں والا تیسرا گروہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔

یہ موضوع ہمیں اگلے روز کے ایک واقعے کے بعد سوجھا جب ایک نوے سالہ ایکسپائرڈ پڑوسی نے کسی جلن کے باعث ہمیں گالی دے ڈالی۔ ہم نے حیرانگی سے پلٹ کر انہیں گھورا تو لڈی کے سے انداز میں گھر میں گھستے ہوئے خود کلامی جیسی آواز میں بڑبڑا رہے تھے کہ جلدی سے وضو کر لوں کہیں نماز نہ قضا ہو جائے۔ ہم نے انکو انکی عمر کے سبب شہید کرنا مناسب نہ جانتے ہوئے جھانپڑ رسید کرنے سے گریز کیا تاکہ مبادہ اندرون شہر کا بھاری ہاتھ 302 کی وجہ نہ بن جائے لیکن بہر حال اپنی شریر انگلیوں کو کالم لکھنے سے باز نہیں رکھ سکے ہیں۔ موصوف اپنے ساتھ والے پڑوسی سے مدتوں ہمکلام نہیں رہے اور بالآخر وہ کالونی چھوڑ گئے کیونکہ جب اس پڑوسی نے گھر بنایا تھا تو معلوم نہیں کوئی گرد یا پتھر ان کی طرف گر گیا ہو گا۔ کوئی بارہ برس مسجد جاتے ہوئے ان کے گھر سے منہ پھیر کے یوں گزرتے رہے کہ مبادہ مذکورہ ایکسپائرڈ بابے کی نماز نہ فسق ہو جائے۔ شنید ہے کہ انہیں کمپنی سے نکال باہر بھی اسی لئے کیا گیا تھا کیونکہ ان کا دفتری ساتھیوں سے بھی تعلق ہمیشہ چغل خوری کا رہا۔ تو ظاہر ہے عمر رفتہ کی عادتیں محض نماز سے تھوڑا چھٹتی ہیں۔

ہم تو ٹھہرے شاید پارٹ ٹائم نیک یا پارٹ ٹائم بد، کیونکہ دو ہزار آبادی کی اس کالونی میں پانچوں نمازوں کی کل دو صفوں میں سما جانے والے بڑھاپے میں مسیتڑھ بننے والے محلے داروں نے ہمیں کبھی وہاں دیکھا نہ ہو گا۔ اس لئے ہم نے اس بے نمازی والی بدی میں سے یہ نیکی نکالی ہے کہ ہم کبھی چغلی اور بہتان کے بھی کسٹوڈین یا سزاوار نہیں ٹھہرے۔ خیر یہ نماز نہ ادا کرنے کا بہانہ تو نہیں لیکن جب اللہ کے گھر سے باہر نکل کر اہل محلہ کی چغلیوں کا سیشن چلتا ہے تو نیکوکاروں کی یہ تیسری صنف واپسی سے پہلے پہلے الحمدللہ نماز فسق کروا کر ہی گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس ایکسپائرڈ گروہ نے غالباً بڑھاپے میں یہ سوچ کر تسبیح پکڑی اور داڑھی بڑھائی ہوتی ہے۔

کٹی ہے رات ہنگامہ گستری میں تری۔۔۔"

"سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

اب جب قلم دوڑا ہے تو دیگر اقسام کے پارٹ ٹائم نیکوکاروں کا بھی تذکرہ کر کے ہم بھی ماشاءاللہ اسی چغلی ایکسچینج پروگرام میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو نماز پڑھ کر چغلیاں اور بہتان تراشی کرتا ہے اور ہم بغیر نماز پڑھے وہی کام کرتے ہیں۔ ہاں البتہ فرق صرف یہ ہے کہ ان کا مقصد والدین کی تربیت کے مطابق پڑوسیوں اور بھائیوں کو لڑانا ہے اور ہمارے نزدیک مقصد یہ ہے کہ کسی ایک پارٹ ٹائم نیکوکار کے دل میں بھی اگر خدا کا خوف موجود ہے تو وہ توبہ تائب کر کے گروہ اولین کا حصہ بن جائے۔

ہمارے ایک اور بغل والے پڑوسی جب گھر بنانے لگے تو ہم نے انہیں ہر طرح کی مدد لینے کی دعوت دی، خالصتاً اس نیت سے کہ یہی ہمارے والدین کی تربیت تھی۔ شریف آدمی تھے لہذا شکر گزار ہوئے بلکہ گھر جڑے ہونے کے باعث کئی معاملات میں انہوں نے بھی ہم سے برادرانہ تعاون فرمایا۔ ہمیں صرف یہ خوشی تھی کہ ایک اچھا گھرانہ پڑوس میں آن بسا ہے جو عملی دنیا میں دور دراز کے بھائی سے بھی نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ پھر ایک روز ان پر بھی فل ٹائم شیطانوں کا اثر دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے جب انہوں نے ہماری چوری شدہ نئی گاڑی کے بارے میں فرمایا کہ مسجد سے پتہ چلا ہے کہ یہ گاڑی چوری نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کے بیٹے نے بیچ دی تھی۔ ہمیں اس بہتان پر آگ سی لگ گئی لیکن ہم نے انہیں تین وجوہ کی بناء پر معاف کر دیا۔ اولاً وہ خاصے احمق سے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ باشعور اور بے شعور برابر نہیں ہوتے۔ دوم ہم پارٹ ٹائم نیکوکاروں اور فل ٹائم شیطانوں کو جانتے تھے کہ اللہ کے گھر سے نکل کر وہ کیسے کیسے بہتان باندھ سکتے ہیں۔ سوم جو شخص بغیر ڈیوٹی ادا کرنیوالا استاد ہو اور باقاعدگی سے غیر حاضر رہ کر بھی کارپوریشن سے تنخواہ لیتا ہو اس کی نمازیں تو محض ٹکریں ہی کہلائیں گی۔ ہم برداشت تو کر گئے لیکن اس تیسرے درجے والے تیسرے گروہ کے نمازیوں سے مزید انتہائی بدظن سے ہو گئے۔

پھر ایک روز یوں ہوا کہ ہم سامنے والے ریٹائرڈ درجہ چہارم کے کلرک پڑوسی سے باہر کھڑے گپ لگا رہے تھے کہ ساتھ والے گھر سے انکا ریٹائرڈ کارپوریشن کلرک ہم زلف مسجد جانے کے لئے نکلا مگر ہمیں سامنے پا کر الٹے قدموں گھر میں گھس گیا۔ ہمیں سمجھ نہ آ سکی کہ بھلا یہ صاحب کیوں ہم سے ناراض ہیں؟ لیکن کچھ عرصے بعد یہ عقدہ کھلا کہ وہ ہمیں نہیں اپنے ہم زلف کو دیکھ کر اپنی قطع

رحمی چھپانے کی خاطر مسجد کی بجائے اپنے گھر پر ہی نماز ادا کرنے لگ گئے تھے کیونکہ دونوں مشترکہ دیوار والے رشتہ داروں کی کسی گھریلو چپقلش کے باعث عرصہ بیس برس سے دعا سلام بند ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت ہمیں حال ہی میں ہوئی جب پہلے والے ریٹائرڈ کلرک کچھ عرصہ امریکہ گزار کر آئے تو انہوں نے ہم سے بھی سلام دعا بند کر دی محض اس لئے کہ ہم اگلے روز انکے اس سامنے والے پڑوسی سے بات کر رہے تھے جن سے انکی اپنی بول چال کوئی دس برس سے منقطع ہے۔

لیکن جس واقعے نے ہمیں اخروی عذاب کا سوچ کر جسم میں جھرجھری لگا دی ہے وہ مسجد کا فنڈ کھانے والی مسجد کمیٹی کے اراکین کے کرتوت ہیں۔ تفصیل میں ہم اگر گئے تو بات لمبی ہو جائے گی مگر مختصراً ان اراکین کی ملی بھگت "خدا ترسیاں" یہ تھیں کہ فنڈز تین زور آور نمازیوں کے ہاتھ میں تھا اور وہی تین اس کو آپریٹو کالونی کی سیاست کے بھی امین تھے جس کا ایک کرنل سیکریٹری کار چور گروہ کا سہولت کار بھی تھا بلکہ ہماری گاڑی کے علاوہ اس کالونی کی کئی گاڑیاں چوری کرا چکا تھا۔ اس مسجد کمیٹی کا ایک رکن اس غریب کو آپریٹو سوسائٹی کا قرض لے کر کھا گیا ہوا تھا لیکن چونکہ ایک مشہور کمپنی کی کلرک یونین کے زور پر ان کی گاڑی پر بھی قابض تھا لہذا ہماری کالونی کے علاوہ دیگر دو کالونیوں کے چار ہزار باسیوں خصوصاً تمام مسجد اراکین میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اس سے محض لاکھ روپیہ ہی نکلوا لیتے۔ دوسرا مسجد کمیٹی کا رکن کن ٹٹوں والا کردار ادا کرتا تھا اور کالونی میں پھیری لگانے والے یتیموں سے بھتہ وصول کرتا تھا اور تیسرا رکن مسجد کمیٹی کالونی کی ایک دوکان پر ناجائز

قابض تھا۔ اس بد معاش گینگ کا فرنٹ مین اسی کالونی کا ایک ہیڈ گارڈ اور ایک پراپرٹی ڈیلر تھا جن کا پتہ یوں چلا کہ جب کارچور کرنل نے ہماری گاڑی چوری کروائی تو اس ڈر سے کہ اس گینگ کے فرنٹ مین ہمارے ہاتھوں نہ مارے جائیں یہ پورا گینگ اسے معافی دلوانے

ہمارے گھر آ گیا۔

ہم نے تو خیر ان سب کو "کتے کے ٹھیکرے" پانی پلا دیا لیکن ہوا یہ کہ ان کے چہرے پہچانے گئے اور پھر اللہ کے کرم سے ایک ایک کر کے یہ سوکھے شکار ہوتے چلے گئے۔ اللہ نے شاید کسی غریب ٹھیلے والے کی آہ سن لی تھی اور یہ گینگ اس وقت یکلخت اپنی موت آپ مر گیا جب نئی انتظامیہ میں کچھ خدا ترس لوگ منتخب ہو کر آ گئے۔ پھر شرابی کرنل بھی دفع دفعان ہوا اور مسجد کمیٹی بھی نئی بن گئی۔ .اللہ اکبر

چین سے بہہ رہی ہے راوی۔۔۔

دروغ بر گردن راوی

یا اللہ ہم کیسی کالونی میں آن بسے ہیں جہاں جو پارٹ ٹائم نیک یعنی پانچ وقت کا نمازی ہے وہ آپس میں قطع رحمی کئے بیٹھا ہے خصوصاً پڑوسیوں سے جن کے اہم حقوق کی خاطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جائیداد میں انہیں حصہ دار بنانا چاہتے تھے۔ یا پھر وہ نمازی مل کر مسجد ہی کا فنڈ کھا رہے ہیں اور یتیموں سے بھتہ لے رہے ہیں یا گاڑیاں چوری کروا رہے ہیں۔ چلیں ابھی ہم فرقہ بازی کی لعنت کو

چھوڑ دیتے ہیں کہ جہاں ہمارا وہابی اور شیعہ اپنی بریلوی مسجد چھوڑ کر ساتھ والی کالونی میں نماز ادا کرنے جاتا ہے۔ یہ چونکہ عالمی سازش ہے جس پر ہم بہت لکھ چکے ہیں۔ لیکن نماز کے بعد پڑوسی کی چغلیاں کھانا کہاں کی عالمی سازش ہے؟ یہ تو سراسر وہ بداخلاقی ہے جس کے باعث ہماری نمازیں ٹکریں کہلائیں گی اور روز محشر ہمارے ہی منہ پر ماری جائیں گی۔

ایک روز ہمارے من میں سمائی کہ ان سب کی صلح کرادوں مگر ایک اور پڑوسی مرحوم کرنل صاحب کی بات یاد آگئی کہ جو لوگ چند نمازوں کی بنیاد پر اپنے آپ کو نیک اور تمہیں بد سمجھتے ہوں وہ تمہیں کبھی بھی لفٹ نہ کرائیں گے۔ بات چونکہ سچ تھی اس لئے بارہ برس چپکا بیٹھا رہا۔ بلکہ ایک روز ہفتہ وار درس میں ہماری اسی کالونی کے ایک پہلے گروہ سے تعلق رکھنے والے صاحب علم نے جب یہ فرمایا کہ اپنی فالتو جائیداد کا کرایہ کھانا بھی حرام ہے تو ہمارا دھیان ان ویلے (فارغ) نمازیوں کی طرف مڑ گیا جو کئی کئی فالتو گھر بنا کر کرایے پر چڑھا دیتے ہیں اور پھر فجر سے ظہر تک سونے کے بعد بڑی عاجزی اور نیکی سے وضو کر کے باہر نکلتے ہیں تو بڑے کروفر سے فرماتے ہیں کہ ہم تو ویلے ہیں کوئی کام نہیں کرتے۔ اللہ اللہ مسلمان برباد نہ ہو تو اور کیا ہو کہ معذور بھی نہیں اور کرتا بھی کچھ نہیں۔ اپنی کالونی کے ہی ایک باریش پکے نمازی اور ایک مشہور سیاسی و مذہبی جماعت کے روح رواں پراپرٹی ایجنٹ جو اسی درس میں ملے تھے، کو جب ہم نے وہ درس یاد کرایا تو وہ یوں ہم سے کترا کے نکل لئے جیسے ہم ڈاکٹر سلطان نہیں کورونا وائرس ہیں۔

تمام دینی اختلاف کے باوجود ہمیں پروفیسر احمد رفیق اختر کی یہ بات بہت پسند ہے کہ جو انہوں نے اپنی کتاب "صبح ازل" میں لکھی ہے کہ کیا فائدہ تمہاری اس عبادت کا جب بھری جوانی اللہ کی

نافرمانیوں میں گزار کر بڑھاپے میں کسی کام کے نہ رہے تو داڑھی بڑھا کر اور ستھن اوپر کر کے مسجد میں جا بیٹھے ؟ یہ خود ساختہ نیکو کار بڈھے اور چند اسی قماش کے جوان ہر لمحے اللہ سے نیکی بدی اور اجر وثواب کا فیصلہ چھینتے بھلا کیوں نظر آتے ہیں ؟ اس لئے کہ ان کا روز حساب سے پہلے دوسروں کا روزانہ حساب کرنا ان کے اس احساس کمتری کی واضح نشانی ہے کہ جس میں یہ اپنے گناہوں میں بسر شدہ سابقہ زندگی کی شدید گونج سے بچنے کے لئے دوسروں میں کیڑے نکالنے کی با آواز بلند خود کلامی کرتے ہیں۔

یا خدا ہمیں وہ والی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو آہستہ آہستہ گناہ گھٹاتی چلی جاتی ہے نہ کہ وہ نماز جو روز محشر ہمارے منہ پر ماری جائے گی۔ اب ہم اس فتوے کے منتظر ہیں جو یہ پارٹ ٹائم نیکو کار لیکن فل ٹائم شیطان اپنے کسی ملا سے ہمارے خلاف جاری کراتے ہیں۔

"قسمت کا دھنی"

کالم 441 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 07ء2021

(دی رائیٹرز کیفے اور انوائرمنٹ گروپ کے لئے بطور خاص)

مصروف لوگوں کے جھرمٹ میں اس سے قبل بھیجا گیا تعارف درخور اعتنانہ سمجھتے ہوئے کسی حسینہ نے کونے میں رکھ دیا تھا لہٰذا انہی کے حکم سے ہم دوبارہ باریابی کے طلب گار ہیں اور کچھ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر ہانکنا چاہتے ہیں۔ جگر تھام کے رکھیئے کہ باری میر کی آئی۔

ابا نے نام جاوید رکھا نانا نے سلطان۔ لوگ تب سسر سے ڈرا کرتے تھے اس لئے ابا نے مصلحتاً نام سلطان اس امید پہ بھی چلنے دیا کہ شاید کبھی زمین ہاتھ آ گئی تو اسم بامسمی ہو جائے گا یہ بچہ۔ بہر حال یہ امید آج تک بر نہیں آئی اور نہ ہی پوری طرح ٹوٹی ہے۔ ہم نواز شریف کی طرح بادشاہ تو نہیں بن پائے مگر رقیبوں کو جلانے کے شوق میں نام سے پہلے ڈاکٹر لگانا شروع کر دیا ہے اس تعلیم کی بنیاد پر جو پاکستان کے لحاظ سے غیر ضروری اور بیکار سی لگتی ہے۔

اماں نے نیکر اور نکٹائی پہنا کر انگریزی سکول میں پہلی کلاس مکمل کرا دی مگر ابا فرزند زمین (سن آف سوئل) تھے اس لئے دوسری سے پانچویں تک ہمارے سرکاری سکول کے ٹاٹ کی مٹی کی خوشبو کو وطن کی مٹی کہہ کر تعریف کرتے رہے۔ شاید دوسرا فائدہ ان کو یہ نظر آیا ہو کہ یہ بچہ پٹائی کرا کر بھی شکوہ نہیں کریگا استادوں کے تشدد کا عادی ہونے کی وجہ سے نیز خرچہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ لیکن اصل وجہ ہم جان گئے تھے کیونکہ ایک سال چھوٹے بھائی کا وہ انگریزی سکول کا خرچہ نہ اٹھا سکتے تھے۔ ابا کافی دور اندیش تھے اس لئے اپنی چادر میں رہ کر قریب قریب ہر سال ہمیں نئے بہن بھائی کی آمد کی بھی خبریں دینا چاہتے ہونگے۔

کثرت اولاد کے سبب اماں تنگدستی سے پریشان رہتی تھیں مگر محبت کے باعث ہمیں تعلیم چھوڑ کر محنت مزدوری یا نوکری کرنے کا کہہ نہ سکیں۔ اس محبت کی قیمت انہیں یوں چکانا پڑی کہ دیار غیر سے ڈاکٹریٹ ابھی ابتدا میں تھی کہ ہمیں چہرہ دکھائے بغیر دنیا سے چل پڑیں ٹھیک آج ہی کے دن بتیس برس قبل۔ حالانکہ تکیے کے نیچے رکھی ہماری تصویر شاید اپنی آخری سانس تک دیکھتی رہی ہو نگی۔

ہم ایف ایس سی کرتے ہی ایم بی بی ایس کرنے بولان میڈیکل کالج کوئٹہ جا گزیں ہو گئے مگر مری بگٹی قبائل کے لڑکے ہمیں اغوا کر کے لے گئے۔ لہٰذا اس بات پر جان بخشی ہوئی کہ بلوچستان چھوڑ دیں گے۔ ان حالات میں مرحوم یارِ غار ڈاکٹر ارشد کام آئے اور ہمیں ایک برس ضائع کر کے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد نے آغوش میں لے لیا۔ بقول دیگرے قائدانہ صلاحیتوں نے سیدھا فیکلٹی یونین کا صدر بنا دیا مگر پھر بے خبری میں گریجویشن میں کہیں ٹاپرز میں بھی ہم نے جگہ بنالی جس سے ریکارڈ کچھ ایسا پکا بن گیا ہوا ہے کہ آج چالیس برس بعد بھی ٹوٹ نہیں پا رہا۔ بلکہ پولینڈ میں ہمارے ڈاکٹریٹ کے کیتھولک پروموٹر اور یونیورسٹی ریکٹر نے بھی پاکستانی فیصلے کو عزت بخشنے کے لئے جب یہی اکیڈیمک ڈسٹنکشن والا ڈرامہ اپنی یونیورسٹی میں رچایا تو سفیر پاکستان خود یونیورسٹی تشریف لے آئے ہمیں دیکھنے۔ بعد میں ان کی مایوسی خاصی قابل دید تھی کیونکہ ان کا ذہن سی ایس ایس والے کالے انگریز جیسا تھا۔ ہمارے ڈاکٹریٹ کے پروموٹر نے ہمیں فیملی سمیت یورپ بھر کی خوب سیر کرائی۔ وارسا یونیورسٹی میں ایڈجنکٹ بنائے رکھا اور واپسی پر ہم نہ صرف ڈاکٹریٹ کی ڈگری، ڈنمارک اور جرمنی سے دو عدد پوسٹ ڈاکٹریٹ کی سندیں لے کر لوٹے بلکہ گولڈ میڈل کے ساتھ تعلیمی امتیاز، گرما گرم جیب، اقوام متحدہ کی نوکری اور ایک گڑیا سی بیٹی بھی لے آئے۔

اپنی جیب سے ہینگ اور پھٹکڑی تک نہ لگی مگر رنگ چوکھا چڑھ گیا تھا نیز خاندان بھر میں شہرت۔ اللہ اللہ۔

پی ایچ ڈی فوڈ سیکیورٹی میں کی لیکن ورلڈ بنک اسلام آباد کے احمقانہ مشورے سے بعد میں ایک عدد اور ایم ایس (ماحولیات) بھی کندھوں پر سوار کرنی پڑی اور یوں ہم اپنے بنیادی مضمون پرورش حیوانات نیز انسانی غذا و صحت جیسی مہارت سے لڑھکتے ہوئے پنجاب گورنمنٹ سے ریٹائرمنٹ سے بھی گیارہ سال قبل انیسویں گریڈ میں پہنچ تو گئے مگر پھر فوراً ہی سوچ سمجھ کر حکومتی سسرال سے اکیس برس بعد خلع لے کر اپنے تیسرے ماہرانہ مضمون یعنی ماحولیات کی جڑوں میں جا بیٹھے ہیں۔ اور آج کل ایشئین بنک کی مالی مدد سے جلالپور نہر کی کھدائی کی ماحولیاتی نگرانی کر رہے ہیں۔

ایک بار سیکرٹریٹ کی انڈر سیکرٹری والی نوکری سے فائلیں اٹھانے کی مزدوری سے جھلا کر امریکہ بھی بھاگ گئے تھے لیکن بھلا ہو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے گرنے کا کہ ہمارے لینگسٹن اوکلاہوما والے پروفیسر نے ہمیں بڑے پیار سے پاکستان آنے پر راضی کر لیا۔ بہر حال ہم نے آتے آتے بھی ایک سال کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں کھڑکا دیا اور تب واپسی کی فلائٹ پکڑی جب ویزے کی مدت ایک دن رہ گئی۔

اعلیٰ تعلیم اس لحاظ سے بری ہے کہ سرکار کے بڑے گریڈز میں پہنچ کر بھی لوٹ مار کے مزے نہیں لینے دیتی لہٰذا اصل ریٹائرمنٹ سے گیارہ سال قبل ہی وہ والا سسرال چھوڑ کر اس زعم میں ہم کارپوریٹ سیکٹر میں آ گئے کہ چل سلطان بھیا اب آزماتے ہیں تمہاری قابلیت اور اعتماد۔ اب کئی برسوں سے تعلیم اور مہارت کے لحاظ سے دو مختلف شعبوں یعنی غذا و صحت اور ماحولیات میں کنسلٹنسی جیسی خدمات دے رہے ہیں لہٰذا عوام اور حکومت اب براہ راست ہمارے متاثرین ہونے کے شکائتی ہیں۔

ایف اے او، یو این ڈی پی، ورلڈ بنک، ایشین بنک، جی ٹی زی، نوراڈ، یورپین یونین، یو ایس ایڈ، آئی یو سی این اور ڈبلیو ڈبلیو ایف جیسے ادارے بھی خاصے احمق ثابت ہوئے جو ہمیں مدتوں خوا مخواہ مختلف پراجیکٹس سے نوازتے رہے حالانکہ ہم آج تک منہ ٹیڑھا کر کے غلط انگریزی نہیں بول پائے بلکہ پنجابی منہ بنا کر صحیح انگریزی ہی کھڑکاتے چلے آرہے ہیں پچھلے چالیس برس سے۔

کل ملا کر تین سو سے زائد پراجیکٹس کامیابی سے مکمل کر چکے ہیں جن میں بارہ برس سترہ ممالک میں چھوٹے بڑے اکیس پراجیکٹس نیز اٹھائیس برس پاکستان میں 311 پراجیکٹس مکمل کئے۔

نیسپاک، این ڈی سی، سمیک ای جی سی، اے سی ای، ایم ڈی سی، ای سی ایس پی، اے سی سی ایس، کے بعد اب برقاب جیسی نجی و نیم سرکاری انجنیئرنگ مشاورتی کمپنیوں میں دبک کر بیٹھنے کی یہ دوسری دہائی ہے۔ لیکن سیٹھوں کی ملکیت پرانی مشاورتی کمپنیوں اور نئے تبدیل شدہ پاکستان کے بعد کوویڈ نے ہمیں عملاً گھر بٹھا دیا ہے کیونکہ ہمارے فرمودات اور قلمی ملفوظات درجنوں توپ جیسے ماہرین سے برداشت نہ ہو پا رہے تھے۔ لہٰذا ڈیڑھ برس گھر نیز گھر نما دفتر میں بیٹھے 332 مکمل شدہ پراجیکٹس کی رپورٹس دیکھ دیکھ کر جی جلاتے ہیں۔ بلکہ پچھلے ماہ جب نئے گھر میں آنے لگے تو غصے میں آکر ان ساری ای آئی اے رپورٹس کی چار من ردی تین ہزار روپے میں بیچ ڈالی ہے۔ اس خطیر رقم سے انشاءاللہ اب لندن میں کچھ فلیٹس خریدنے کا پروگرام بنا رہے ہیں مگر ایک کھرب روپے کا بندوبست ابھی کرنا باقی ہے۔

ٹی وی نہ دیکھنے اور کم سونے سے روزانہ کے بچائے ہوئے چار پانچ گھنٹے لکھنے لکھانے اور سوشلائزیشن میں گزار کر دل اور دماغ تر و تازہ رکھتے ہیں۔ سات انگریزی اور دس اردو کتب لکھ چکے ہیں جنہیں پڑھتا کوئی نہیں مگر پھر بھی ڈھیٹوں کی طرح لکھے چلے جا رہے ہیں۔ موضوعات غذا و صحت، ماحولیات اور طنز و مزاح ہیں۔ کبھی کبھی حماقت میں جو شعر کہے تھے انکی بھی کتاب بن چکی ہے لیکن

سب سے زیادہ چڑ اس بات سے ہے کہ کوئی ہمیں شاعر کہہ دے یا سمجھ لے۔ اس تصنیف و تالیف میں کورونا والا بانجھ وقت بھی ہمارے لئے بار آور ثابت ہوا ہے کہ اپنی چالیس برسوں پر محیط بڑبڑاہٹوں اور ور فنطنیوں کو ہم نے کتابی شکل میں ڈھال دیا ہے۔

میڈیا پر ہماری یا تر اریڈیو پاکستان لاہور میں زراعتی پروگرام سے 1983ء میں ہو گئی تھی جو کہ نانا مرحوم کی لاہور ریڈیو میں بیالیس برس "جمہور دے پروگرام" میں نظام دین کے ساتھ چوہدری صاحب فیم کا ایک طرح سے تسلسل تھا لیکن جلد ہی معلوم نہیں وہ پہلا ٹی وی چینل کون سا تھا جس نے ہمیں ماہر غذا سمجھ کے اپنے سٹوڈیو میں میک اپ کر کے لا بٹھایا۔ چونکہ ہم 1997ء سے ہی ٹی وی سے لطف اندوز نہ ہو پائے ہیں تو بس کسی دوست کے بھیجے گئے اپنے کلپ پر خود ہی عاشق ہو بیٹھے۔ شاید دیگر چینلز میں بھی کسی کو ہماری ادائیگی اچھی لگی ہو گی کہ پھر نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب بھی مختلف ٹی وی چینلز خوبصورت ماڈلز کے ساتھ کیمرے اٹھائے ہمارا انٹرویو لینے دفتر میں آ دھمکتے ہیں اور ہم اونگھتے ہوئے بعد میں سوچتے ہیں کہ کیا کیا ریکارڈ کرا ڈالا۔ ہم بہر حال میڈیا ٹیمز کے سامنے منمناتے ہی رہتے ہیں کہ ذرا دور سے شوٹ کریں تا کہ پبلک کو بڑھی ہوئی شیو نظر نہ آئے اور آپ کو بھی بغیر برش والے منہ کی ہولناک مہک۔

بقول مستنصر حسین تارڑ لاک ڈاؤن کے دنوں میں بیگم قریب سے گزرتے ہوئے یہ ضرور کہتی ہیں کہ پتہ نہیں یہ مصیبت کب ٹلے گی؟ حالانکہ قسم سے یہ بات وہ کورونا کو کہہ رہی ہوتی ہیں۔ مگر ہم ٹھہرے نازک مزاج اور زود رنج لہٰذا سکاٹ لینڈ میں اپنے سابقہ پروفیسر آرسکوف کو شرم دلا رہے ہیں کہ فضائی رستے کھلتے ہی ہمیں بلا بھیجنا کہیں بعد میں نہ پچھتاتے رہنا کہ کاش ڈاکٹر سلطان آ جاتے تو شاید ہماری یونیورسٹی نوبل پرائز ہی جیت جاتی۔ ویسے بھی کورونا کے باعث صرف ایک برس گھر

رہنے کی وجہ سے اٹھائیس برس بعد اگر بل گیٹس کی بیوی اسے چھوڑ سکتی ہے تو ہم کس شمار قطار میں ہیں صاحب؟

بزرگوں کی پر تشدد کوششوں سے ہم ماشاءاللہ شادی شدہ ہیں چار ہونہار بچے اور ایک خونخوار بیوی رکھتے ہیں۔ جو وقت نہ ملنے کا شکوہ کرتے کرتے تقریباً اب چپ سے ہو گئے ہیں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بیٹا یو ایس ایڈ میں ڈپٹی چیف آف پارٹی ہے، بیٹی اے سی سی اے ہے اور لیڈز یو کے میں اپنے ہی ہوٹل کی اکاؤنٹنٹ، دوسری سول انجینئر لیکچرار اور تیسری آٹھویں گریڈ میں ہے۔ سب اپنے اپنے کاموں اور بیگم عبادت میں مگن رہتی ہیں سو ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے۔ ہمارے دماغ کی تازگی کی عمر سو سال سے زائد ہے مگر دل ابھی بچہ ہے لہٰذا جسمانی عمر ان دونوں کی اوسط یعنی ساٹھ کے پیٹے میں ہے۔ ویسے ہم اپنی عمر سو سے اوپر سمجھتے ہیں وہی ٹی وی نہ دیکھنے اور کم سونے والی کہانی کے حساب سے۔ اچھا لیکن ایک لحاظ سے ہماری ساری زندگی بیکار اور پھیکی سی ہے کیونکہ کسی بھی چیز کا نشہ نہیں ماسوائے چائے کے جو ہمیں ہوا میں اڑا نہیں سکتی۔ اور کیا فائدہ اس جینے کا جس میں پھر پتنگ بھی نہ اڑا سکیں اور عشق بھی نہ کر سکیں سوائے باتھ روم میں غمناک گنگنانے کے۔

اچھے دوستوں نے ہمیں دو سوشل گروپس کا رکن بنا رکھا ہے جن میں ہمیں دی رائیٹرز کیفے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ویسے ہمارا اپنا ہزار اراکین والا گروپ بھی ہے "ڈائٹ کیئر" کے نام سے مگر اس میں کوئی کچھ لکھتا ہی نہیں سوائے ہمارے۔

آپکو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم تفصیلی بات کرنے کے عادی ہیں تاکہ کوئی الجھن نہ رہے اور کچھ اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار سے لکھنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔ فیض گھر لاہور میں ساڑھے چار برس میں دیئے گئے پینسٹھ لیکچرز بھی اس عادت کے گواہ ہیں۔ اب آپ کی پڑھنے کی صلاحیت پر منحصر ہے کہ سب کچھ پڑھ پاتے ہیں یا سکرول کر کے آگے نکل لیتے ہیں ہماری کتابوں کے قارئین کی طرح۔ مگر

ہم نہیں باز آنے والے۔ بس حرف آخر شاید یہ ہو کہ ہم ٹھہرے قسمت کے دھنی اور جو ہمارے ساتھ جڑتا ہے وہ بھی شاہ وشاہ ہو جاتا ہے مگر ہم خود بغیر ریاست والے بادشاہ یعنی سلطان ہی رہتے ہیں۔ ایک واحد چیز جو کر نہیں پائے وہ فوتگی ہے اور دوسری جو قریب سے نہیں گزری وہ غرور ہے مگر احباب مانتے نہیں اور وقت ملتے ہی جھاڑ پلا دیتے ہیں۔ ایسی ہی جھاڑ اور پھٹکار کے لئے منتظر آپ کا اپنا ڈاکٹر سلطان محمود۔ اس مضمون کے قارئین خاصے حاضر دماغ رہے اور سیر بھر بحث ہوئی جو کہ ذیل میں دی گئی ہے:

محدث شاہین

ماشاءاللہ۔ سر اچھا تعارف تھا۔ سر پوچھنا یہ تھا کہ نامساعد حالات میں اتنی اعلیٰ ڈیگریز کیسے ممکن ہوئیں؟ ذہین تو آپ بلاشبہ ہے لیکن بنا روپے پیسے کے تو کچھ ممکن نہیں۔ فیسز ہی ماشاءاللہ ہیں اداروں کی۔

ڈاکٹر سلطان محمود

یہ میں لکھنا چاہتا تھا ڈئیر مگر تعارف پہلے ہی شیطان کی آنت جیسا ہو گیا تھا۔

پہلے نمبر پر تو میں ڈھٹائی کی حد تک ثابت قدم ہوں۔ جو پلان کر لیا وہ ادھورا نہیں چھوڑنا ہے۔ نصیب کے علاوہ میں بڑا بھائی ہونے کے ناطے گھریلو حالات میں والد صاحب کا ہاتھ بٹانا چاہتا تھا مگر پڑھائی بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بس مڈل کے بعد ہی ٹیوشنز پڑھا کر میٹرک تک پہنچا اور ساتھ میں صرف والدہ کی حد تک تھوڑا بہت جیب خرچ دیتا رہا۔ پیسے بچانے کی عادت بھی وہیں سے پڑی اور شاید برادر انجینئر ریاض اپل جانتے ہوں کہ چھٹی کلاس میں اپنی فیس ادا کرنے کے بعد بھی سکول میں آنے والے حبیب بنک کے خواجہ صاحب سے جماعت کا دوسرا انعام یافتہ طالب علم تھا اور 1966ء یا 1967ء میں بنک کی جمع پونجی 180 روپے نکلی۔ پہلا انعام رؤف کو 244 روپے جمع

کرنے پر ملا۔ وہ بھی آجکل ہمارے ساتھ ہی ہیں لاہور میں۔ مگر کہاں وہ اخبار کے مالکان میں سے اور کہاں میں جس کے والد کی تنخواہ محض چار سو روپے تھی اور بچے اس وقت سات تھے نیز ساتھ میں دادی بھی تھیں۔ میں اپنا قریب ترین موازنہ اپنے چھوٹے بھائی سے کرتا ہوں جسے میں مار مار کر میٹرک تک لے گیا مگر وہ اپنے فیصلوں پر ڈٹ جانے والا نہ تھا لہٰذا ریاض بھائی سے پوچھیں کہ آج کہاں ہے؟

پھر اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق وہ سب کچھ دے ڈالا جس کے لئے میں کمزور ہاتھوں اور پیدل چلنے والے تھکے ہوئے پاؤں سے کوشش کیا کرتا تھا۔ بلکہ شاید اللہ نے اس سے بھی بہت بڑھ کر دے دیا۔ میٹرک میں لگنے والے وظیفے سے شروع ہو کر ڈاکٹریٹ تک حکومتی وظائف پر پلا ہوں بلکہ ایک دھیلا لگائے بغیر یورپ سے ڈاکٹریٹ بھی کر آیا اور 1992ء میں میری جیب میں دس ہزار ڈالر والا انعام الگ سے چھنک رہا تھا۔ میری واحد عیاشی کتابیں پڑھنا اور شام کو ڈی گراؤنڈ فیصل آباد سے ایک روپے میں پان کھانا ہوتا تھا۔ تو یہ معلوم نہیں ہوا آج تک کہ جوانی کہاں گنوا دی؟ اگر دعا کا دخل ہے ہماری زندگی میں تو کسی ایک بزرگ بلکہ اہل محلہ کا بھی میں احسان نہیں چکا سکتا۔ خصوصاً والدہ جن کی آج 32ویں برسی ہے، دادی، نانی اور ساس بن جانے والی خالہ کا بھی۔

تو بیٹا اگر جم کر خلوص سے محنت کریں تو رب تعالیٰ تو کافر کو بھی دے رہا ہے میں تو پھر بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے لے کے رونے والا عاجز بندہ ہوں۔

کچھ ان کہی رہنے دے، کچھ ان سنی رہنے دے۔۔۔

سب کچھ کہہ دیا اگر تو پھر باقی کیا رہ جائے گا؟۔۔۔

شیما خان

آپ یقین کیجئے کہ پڑھتی چلی گئی۔

اور اختتام پہ محسوس ہوا کہ کاش یہ تحریر اور زیادہ طویل ہوتی،

ماشاءاللہ

سر آپ تو ہمارے ملک کی شان نکلے،

تبھی میں کہوں آپ بنا بات کئے ہی اچھے کیوں لگتے تھے ؟

ڈاکٹر سلطان محمود

پہلی بات کہ آپ یہ سلسلہ شروع نہ کرتیں تو کون ہم سے بات کرتا؟ دوم میں اس قابل نہیں کہ مجھے کسی ایسی سیڑھی پر چڑھایا جائے جہاں میں اپنا قد نمایاں کر سکوں۔ مسکین طبیعت بندہ ہوں پلیز مسکین ہی رہنے دیں اور مجھے اچھا انسان بننے کے لئے دعا کرتی رہیں۔

کرن خان سے سوال

ہمیں شادی سے قبل ہی سے بیوی اور بہن بھائیوں کی چپقلش کا اندازہ تھا۔ اس لئے ہم نے سب سے آسان کام یہ کیا کہ والدہ کی وفات کے ساتھ ہی بیوی بچوں کے ساتھ الگ جا بسے مگر قدرت ہمیں اور دور لے گئی۔ دس بارہ برس بعد جب دیار غیر سے لوٹے تو بھائی بہن ٹوٹ چکے تھے لیکن غیر متوقع ستم یہ ہوا کہ جدائی کے درد کم کرتے کرتے ہماری بیگم اپنے بہن بھائیوں میں جا سمائی اور پھر یوں کھوئی کہ جونہی ہم نے بڑے بیٹے بیٹی کی شادی کر دی بیگم نے ذہن پر ہمیں بوجھ سمجھتے ہوئے پرے کر دیا۔ لہٰذا آج ہم بالکل اکیلے ہیں۔ کیا اس المیے پر روشنی ڈال سکتی ہیں؟

"بابا کوڈا اور ففتھ جنریشن وار"

کالم 442 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 11، 2021ء

یہ تحریر پی ٹی آئی کے میڈیا سیل میں شامل بابا کوڈا جیسی ہے۔

البتہ اس جذباتی تبصرہ نگار نے بنیاد ایک سچ کو بنایا ہے یعنی ففتھ جنریشن وار مگر دلائل سارے غیر حقیقی دیئے ہیں۔ جیسے کہ امیر المومنین ضیاء الحق نے ریفرنڈم کے بعد قوم سے خطاب میں کہا کہ اگر آپ اس ملک میں اللہ رسول کا نظام چاہتے ہیں تو میں پانچ سال کے لئے اس ملک کا صدر۔ اب ریفرنڈم کا سوال، اسلام کا نفاذ اور ضیاء کی صدارت ایک ایسی دھوکے باز مثلث تھی جس کے تینوں کونے اگلے دس برس بھی آپس میں یوں مل نہ پائے جیسے ضیاء کی آنکھیں کی آپس کی الائنمنٹ۔

حقانی نیٹ ورک والی اصطلاح درست ہے مگر کیا حقانی اب بھی زرداری سے پوچھ کے چلتا ہو گا، بالکل درست نہیں۔

مبصر شاید لبرل ازم کے معنی نہیں جانتا اس لئے اس نے بلا سوچے سمجھے اسے خونی لبرل ازم کہہ دیا ہے۔ حالانکہ اپنی ہئیت کذائی میں تحریک انصاف بھی لبرل جماعت ہی ہے۔ محض پنکی پیرنی کے بیوی بن جانے سے تو یہ جماعت اسلامی نہیں بن سکتی نہ۔

ہماری قومی عادت ہے کہ اپنے سیاسی رہنماء کی گائے کے گوبر کو گاجر کا حلوہ قرار دیتے ہیں اور مخالف کی مخالفت میں اتنا آگے جانا کہ اس کے گاجر کے حلوے کو بھی گائے کا گوبر بنا دینا۔

موصوف نے ہر وہ صحافی اور اینکر حقانی نیٹ ورک میں ڈال دیا ہے جو عمران کا مخالف ہے۔ کیا عمران کے سبھی مخالفین چغد ہیں اور لفافے لے کر جھوٹ پھیلانے والے ہیں یا سبھی حامی دودھ کے دھلے ہیں؟ دونوں جوانب کے حامی و مخالف ففتھ جنریشن کے ہی چیلے چانٹے ہیں لیکن چونکہ عوام

کرپٹ اور جاہل ہے اس لئے موصوف نے غیر متعلقہ مگر مصدقہ مثالیں دے کر ایک ایسی حلیم بنائی ہے جس میں سارا مزہ مصالحوں کا ہے اس لئے یہ سوال شاید کوئی نہ کرے کہ اس حلیم میں گوشت ذبیحہ تھا یا جھٹکے کا؟

میری ناقص رائے تو یہی ہے کیونکہ عمران حکومت کی حقیقت کافی حد تک کھل چکی ہے۔ وگرنہ تبصرہ نگار صرف یہ کہنا بھول گیا ہے کہ ژاؤ پنگ شی کے بعد عمران ہی بڑا رہنماء ہے۔

سی پیک کسی پاکستانی کا خواب یا برین چائلڈ نہیں۔ یہ شروع دن سے چینیوں کا خواب ہے جسے ہماری فوج کی تائید حاصل ہے اور یہ دعویٰ غلط کہ اس پر تیزی سے کام جاری ہے بلکہ چین اس کی سست روی پر خاصہ ناراض ہے۔ چین کے نئے سفیر کا خطاب سنائیں ذرا اس مبصر کو۔ بلکہ چینی صدر نے پاک چین دوستی کی پچاسویں سالگرہ پاکستان میں منانے سے بھی انکار کر دیا ہے اور صدر شی کا دورہ پاکستان دوسری دفعہ ملتوی ہوا ہے۔ بھاشا، داسو، نجی ڈیمز چین کی مدد سے تعمیر ہو رہے ہیں ورنہ پاکستان کا جو بھی حکمران اگر اسوقت ہوتا تو کریڈٹ اسی کو جاتا۔

ون روڈ بھارت کو لداخ سے دور رکھنا چینی حکمت عملی ہے تاکہ ڈیمز کے لئے دریائے سندھ اور ون بیلٹ کے لئے شاہراہ ریشم کو محفوظ بنایا جا سکے۔

روسی صدر پیوٹن نے کیسے اگلے 15 برس کے لئے اپنے آپ کو صدر بنالیا ہے یہ "خبر" بھی سمجھ کی متقاضی ہے۔

یہ بات البتہ درست ہے کہ چین نے کئی بلکہ سبھی معاملات میں بھارت کی چھٹی کرا دی ہے۔

یہ آخر میں گنتی بھی کیا اسی کالم کا حصہ ہے یا کہیں انگلی بھٹک گئی تھی؟

والسلام وحید بھائی

عمران سے وابستہ ایک معصوم خواہش۔

For the kind note of Abid Abdullah:

You asked that

"IK has a great chance for calling the right shorts to be proven as The Leader with Problems Solver.

It's the time to Involve Making Muslim Block with China Russia and Take Turkey & Saudi Arabia On Board plus keeps Iran and Malaysia in to confidence and within loop.

Internally don't give up against the Corruption & Corrupt Political Parties Leaders and also put his own buggers to accountability like JKT & rest Dogs of Boots, Black Sheep's Mafia of Mullas and Crap Judiciary and SOB Bureaucrats... These All are PROBLEMS !!!! Just fight against these cartels."

I could write the following column for your attention:

"HOPE OF THE HOPELESS"

Column 443 by Dr Sultan Mahmood

13May21

Imran Khan is an icon of hope for that public which is completely corrupt. No doubt IK emerged at our national canvass as an icon of positivity, symbol of change and man of confidence but he can't do anything measurable and considerable because of following facts:

1. The hidden power which selected him for premiership does want to see the country in progress and rich but without surrendering their powers. Since these powers don't like to accept transferring powers to general public and they are themselves has no vision unlike Chinese leadership, so those hidden forces fear that they will lose share from the national income if they would transfer real and meaningful power to real politicians. According to a 2020 report of the UK based Stolen Money Investigators, fifty thousand people of Pakistan, majority of the establishment, has 150k illegal accounts abroad worth PKR 800 billion. They include politicians of all parties, persons from army, judiciary,

bureaucracy and corporate entities. Above all, these 50k persons are part of the real power of the country, hidden and open, and IK has no capacity or strength by all means to break their cartel.

2. Real cronies of IK team are incapable enough that an ordinary person, like me even, can expose them that how empty they are. Other group of his allies is representatives of all corrupt mafias and these electable are gift of his selectors. So how one can enjoy flight of anyone if his hands are fastened with strings? Till this moment IK is a failure, and he knew the country problems since the last 25 years, then how he prepared himself to cope with these national dilemmas before assuming power? Even he couldn't find another IK from his own rows.

3. IK doesn't have conservative personality at all rather he is a real liberal in its definition but he was forced to tie with a so-called corrupt but religious group by marriage to make him acceptable in the conservative public. Simply this is a clear hypocritical indicator that his selectors never intended positive and sustainable changes in the country.

4. IK is not a politician by any mean so he is void of visionary thoughts/ agenda which is really needed exactly on the footprints of successful Asian leaders like Turk's Erdogan, Malaysian Mahatir or Korean MoonJao. So conclusively it is absurdity to envisage high hopes from IK by the deserving but hopeless public.

5. As you wished in your question that IK should solve all problems and just fight against these cartels, so my question is how?

6. Last but not least, IK can't do anything notable for this country due to a stiffed neck.

I analysed this much with heavy heart because I casted my first and probably the last vote for him in 2018.

Dr. Sultan Mahmood

"اللہ کی ایجاد"

کالم 444 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 15، 2021ء

ایک متجسس مگر جلد حوصلہ ہار جانے والی ڈرپوک روح نے دنیا میں مشترکہ ڈیجیٹل کرنسی نظام پر کوئی ڈاکومنٹری دیکھ کر ہم سے دنیا میں رہنے کا کوئی مقصد پوچھا ہے۔ پہلے تو ہم نے مختصراً انسانی زندگی کے دائرے کو یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی اور الٹا سوال داغا کہ ویسے بھی دنیا کا مقصد کیا ہے؟ پیدا ہوئے، کھایا پیا، بچے جنے اور مر گئے۔ مگر وہ بے چین روح حقیقت جاننے پر بضد سی ہو گئی۔ بہر طور ہم نے مندرجہ ذیل ملحدانہ لیکچر جھاڑ دیا ہے۔ آپ بھی محظوظ ہوں۔

اگر بغیر مذہب کے اس دنیا میں آنے کا مقصد سوچیں تو یہ سمجھ آتی ہے کہ

باقی لاکھوں پسی شیز کی طرح انسان بھی ایک ویسی ہی قسم کی شے ہے۔ شکل دوسری مخلوقات سے قدرے بہتر ہے اور عقل و شعور بدوسری اقسام سے کافی اونچے درجے پر ہے۔ جیسے دوسرے کیڑے مکوڑے اور جاندار پیدا ہوئے یہ بھی جانور بھی خود بخود وجود میں آ گیا۔ دوسرے جانداروں کی نسبت یہ جانور ایک لمبے ارتقائی عمل سے البتہ اپنی الگ سے تہذیب بنا بیٹھا اور اپنی عقل کے بل بوتے پر دوسرے جانداروں پر حکومت چلانے لگ گیا۔ پھر یہ دوسرے جانوروں کی طرح آپس میں بھی مسابقت میں پڑ گیا اور "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مصداق اس نے ہر جائز ناجائز ذریعے سے کمزوروں سے طاقت چھینی اور ایسے ایسے ہتھیار بنا لئے کہ ان کے ذریعے خود ہی اپنا وجود مٹا بیٹھے گا بہت جلد۔

اب ذرا مذہبی نکتہ نگاہ سے انسان کی مندرجہ بالا کہانی کو دہرائیں تو جس طرح سائنسدان، کسان اور ادیب کی طرز کے بیشمار شعبہ جات حضرت انسان وجود میں لایا ویسے ہی کچھ صالحین بھی ہر زمانے

میں پیدا ہو کر لوگوں کو آپس میں امن سکون سے رہنا سکھانے کی کوشش کرتے رہے تا کہ جو چند روزہ زندگی ہے آرام سے گزرے، انہیں نبی کہہ لیں، پیغمبر یا مصلحین۔ وہ بھی چونکہ انسان ہی تھے اس لئے دیگر طاقتور انسان تو ان سے ڈرنے والے نہ تھے لہٰذا انہیں مجبوراً غیر مرئی اور غیبی طاقتوں سے طاقتوروں کو ڈرانا پڑا اور انہوں نے دنیا کو سیدھے راستے پر ڈالنے کے لئے اللہ ایجاد کر لیا۔

چونکہ انہوں نے کافی سوچ بچار کی تھی اس لئے انکو یہ بھی سوچ آئی کہ انسان کے نزدیک اللہ تبھی کارآمد ہو سکتا تھا کہ اگر موت کے بعد والی زندگی میں سزا و جزا ایجاد ہو جاتی جو کہ انہوں نے پھر وہ بھی کر ڈالی۔ اس ایجاد مذہب کا البتہ کوئی اور فائدہ ہوا یا نہیں مگر انسان کے اندر چھپی دوسرے جانوروں کی طرح محبت کا جذبہ اس نے ضرور ابھار دیا۔ پھر ہزاروں سال گزرتے گئے اور آہستہ آہستہ دنیا تین دھڑوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ پہلا طبقہ اللہ کا مکمل انکاری، دوسرا اس پر پکا ایمان رکھنے والا اور تیسرا دونوں کی ٹیڑھی کھیر۔ آج کا انسان تیسرے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

چونکہ کوئی بھی زندہ سپیشیز مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوتی اس لئے صالحین یا نبیوں کی ایجاد کردہ آخرت کی زندگی ایک ایسا راز ہی رہے گی جو نہ کبھی افشاء ہو گا اور نہ مذاہب کی حقیقت جھٹلائی جا سکے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ بے حد جینئیس قسم کے لوگ انسان ہونے کے باوجود ذہنی معراج پا کر نبی یا صالحین کہلائے گئے اور انہوں نے غیر مرئی خدا کے نام سے کافی ساری آسمانی کتابیں بھی ترتیب دے دیں جو وقت کے ساتھ سب کی سب مٹ گئیں کیونکہ محفوظ رکھنے کا پائیدار بندوبست نہ تھا سوائے قرآن پاک کے، کیونکہ اسے حفظ کرا کر پائیداری بخش دی گئی۔ یہ کتاب حکمت کی اعلیٰ ترین کتاب کہلائی اور اتنے اونچے درجے پر جا پہنچی کہ قیامت تک جھٹلائے نہ جھٹلائی جا سکے گی۔ یہ چونکہ مکمل ضابطہ حیات مہیا کرتی ہے اس لئے اسے انسان نے خود ہی دو حصوں میں تقسیم کر کے باہمی مربوط کر دیا۔ یعنی مذہب کے عنوان سے عبادات کی تفصیل یکجا کر دی اور انسانی سلوک

یا لائف سٹائل کے لئے رہنماء اصولوں میں پرو دیا اور یوں یہ کے عنوان سے دین نام رکھ دیا اور کتاب ضابطہ حیات کہلائی۔ اس کے اسی تکمیلی معراج کے باعث اسے اللہ سے منسوب کر دیا گیا۔ اور منوائے جانے کی سعی میں اور اس کے پہلے صفحے ہی پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے غیب پر ایمان لائیں ورنہ چھٹی کریں۔ نیز جھٹلانے پر قتل کی سزا رکھ دی گئی۔

اب اگر قرآن سے اللہ نکال دیں تو پھر بھی یہ کتاب مکمل ضابطہ حیات ہی رہتی ہے اور اگر ایمان کے ساتھ اللہ ڈال بھی دیں تو یہی کتاب زیادہ پر شکوہ بن کر انسانی عقل پر ہیبت طاری کرتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس پر کوئی ایک شخص یا ساری بنی نوع انسان مکمل نہ سہی اون پون ہی عمل کر لیں تو یہی دنیا جنت میں ڈھل سکتی ہے اور اگر کوئی یا سبھی انسانیت نہ مانے اور بے عمل ہی رہے تو اس صورت میں تو، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، انسان نے اپنی لگائی ہوئی آگ میں جھلسنا ہی جھلسنا ہے جسے قرآن نے عذاب الیم قرار دیا ہے۔

ویسے ہمارا مشورہ ہے کہ اپنی زندگیوں میں اللہ شامل کر لینا نفسیاتی طور پر بے حد ضروری ہے کیونکہ ہم جب اپنی نادانیوں سے بند گلی میں داخل ہو کر بعض اوقات خودکشی کرنے کی طرف چل پڑتے ہیں تو ایسی صورتحال میں اللہ بہت کام کی چیز ہے۔ سابقہ صدیوں میں کسی ملحد سے پوچھا گیا کہ اللہ ہے کہ نہیں تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ اگر نہیں بھی تو اسے ایجاد کر لیں۔

اہل علم اور اہل عقل کیا فرماتے ہیں بیچ اس مسئلے کے؟ البتہ جن کے دماغ اس تحریر کو مکمل ہضم نہ کر پائیں ان کا پرے رہنا اور چپ رہنا ہی بہتر ہو گا۔

"جھوٹ کی رہی سہی کسر بھی پوری"

کالم 445 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 16، 2021

کورونا ویکسین سے پیدا ہونے والے شدید سائیڈ ایفیکٹ برطانیہ نے رپورٹ جاری کر دی:۔

برطانیہ کے سرکاری ویب سایٹ نے اس ہفتہ کورونا ویکسین سے پیدا ہونے والی 2 لاکھ سے زائد سائیڈ ایفیکٹس کی رپورٹ جاری کر دی جس میں سیکڑوں اچانک اموات بھی شامل ہیں۔

کورونا ویکسین سے پیدا ہونے والے شدید سائیڈ ایفیکٹ کا جائزہ لینے کے لئے حفاظتی ماہرین، اور عالمی ادارہ صحت کے ویکسین سیفٹی کے ماہرین منگل کو ایک ہنگامی میٹنگ کر رہے ہیں، جس کے بعد متعدد یورپی ممالک نے کورونا ویکسین لگوانا بند کر دیا، ویکسین لگوانے کے بعد یورپ میں خون کے جمنے اور دل کے دورہ پڑنے کے متعدد کیس رپورٹ ہوئے۔ جبکہ ویکسین لگنے سے جسم پر 2 لاکھ سے زیادہ شدید سائیڈ ایفیکٹ رپورٹ ہوئے، جس میں خون میں خرابی کے ایک ہزار کیسز، حرکت قلب کے 1900 کیسز، کانوں میں خرابی کے 1200 کیسز، آنکھوں کے خرابی کے 2200 کیسز، امیون سسٹم میں خرابی کے 500 کیسز، انفیکشن کے 3800 کیسز، میٹابولزم میں خرابی کے 2600 کیسز، مسلز اور ٹیشوز میں خرابی کے 24 ہزار کیسز، نروس سسٹم میں خرابی کے 44 ہزار کیسز، سائیکیٹرک کے 3500 کیسز، نظام تنفس میں خرابی کے 5300 کیسز، سکن میں خرابی کے 10500 کیسز، جبکہ 71700 دیگر جنرل سائیڈ ایفیکٹ نمودار ہوئے، جس میں ویکسین لگنے سے سیکڑوں اچانک اموات اور دیگر مہلک سائیڈ ایفیکٹ بھی شامل ہیں، یاد رہے یہ رپورٹ برطانیہ کے سرکاری ویب سائیڈ نے اس ہفتہ جاری کی ہے، جس نے ویکسین بنانے والے ادارے

کی دوڑیں لگوادی ہیں، سرکاری (WHO) بل گیٹس اینڈ ملنڈا فاونڈیشن سمیت ڈبلیو ایچ او
*رو پورٹ مندرجہ زیل ویب سائیڈ پر شائع کر دی ہے،

https://assets.publishing.service.gov.uk/government/uploads/system/uploads/attachment_data/file/968414/COVID-19_AstraZeneca_Vaccine_Analysis_Print.pdf

مجاہد صاحب

یہ بھی حقیقت ہے کہ کروڑوں لوگوں میں کوئی سائیڈ ایفیکٹ سامنے نہیں آئے

ڈاکٹر سلطان محمود

دو باتیں سمجھ میں آجائیں تو اس رپورٹ کو بھی درست مان لیں گے اور مزید پھیلانے کا کہیں گے ورنہ یہیں روکنے کی گزارش کرینگے۔

1۔ برطانیہ اور جرمنی کے اپنے دعوے کے مطابق اس ویکسین کی تاثیر 87 فیصد ہے تو اگر مندرجہ بالا اعداد و شمار باقی کے 13 فیصد کو ظاہر کر رہے ہیں تو یہ سوشل میڈیا کا بالکل غلط استعمال ہے جس پر اس پوسٹ کو بنانے والے گروہ کی بھرپور مذمت کرنی چاہئیے۔

2۔ اگر مندرجہ بالا اعداد درست ہیں تو پھر برطانیہ نے جرمنی سے الحاق کر کے اسی ویکسین کا نام آکسفورڈ-ایسٹرازانیکا رکھ کر اپنے شہریوں کو کیوں لگائی ہے اور بیرون ممالک کیوں بھیجی ہے؟

جواب کا منتظر

ڈاکٹر سلطان محمود

شیخ عامر بہاولپور

ڈاکٹر صاحب، اس رپورٹ پر مجھے بھی تحفظات ہیں کیونکہ اس میں یہ ذکر ہی نہیں کیا گیا کتنے لوگوں میں سے یہ سائیڈ ایفیکٹ آئے؟ باقی آپ کی بات دے متفق ہوں کہ 13 فیصد لوگوں میں سائیڈ ایفیکٹ آسکتے ہیں..

تحریر اس لئے شئیر کی تاکہ لوگ ذہنی طور پر تیار رہیں۔

ڈاکٹر سلطان محمود

عامر بھائی میں نے جب رپورٹ کا مطالعہ کیا ہے تو میرے پہلے سوال کا جواب مل گیا ہے۔

صفحات پر مشتمل یہ رپورٹ ان 13 فیصد ہی کو ظاہر کر رہی ہے جو دو لاکھ لوگوں پر آزمائی گئی۔ 99 جبکہ صاحب پوسٹ نے دو لاکھ سائیڈ ایفیکٹس لکھ مارا ہے۔ میری حیرانی اور شک کی ابتدا یہی پڑھ کر ہوئی کیونکہ میڈیکل سائنسز کا جو میرا محدود سا علم ہے اس کے مطابق شاید دنیا میں آج تک بنائی گئی تمام دواؤں کے کل ملا کر بھی دو لاکھ ضمنی اثرات ریکارڈ نہیں ہوئے ہونگے۔

ساتھ ہی دوسرے سوال کا جواب خود بخود سمجھ میں آگیا ہے کہ 87 فیصد کامیابی کو دیکھتے ہوئے ہی آکسفورڈ یونیورسٹی نے اس ویکسین کو اپنا نام بخشا اور نہ صرف اپنے شہریوں کو لگائی بلکہ پاکستان سمیت دیگر ممالک کو بھی برآمد کی۔

مجھے تو سوشل میڈیا پر بیٹھے رہنا اب گالی سا لگنا شروع ہو گیا ہے کہ لوگ کیسے بات کو الٹا دیتے ہیں۔

یہ تو خیر ہوئی کہ آپ اور ہم نے شک کی بنیاد پر حقائق کھنگال ڈالے لیکن مجھے شک ہے کہ دن رات ہم جو پوسٹیں بغیر تحقیق کے شئیر کرتے چلے جاتے ہیں اس سے ہم حدیث کے مطابق پکے جھوٹے ثابت ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اللہ خیر کرے ہم ویلی قوم اور کرے بھی کیا؟

"یوم تکبیر"

کالم 446 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 29، 2021ء

الحمدللہ۔ ہماری مسلح افواج کا ایک ناقابل فراموش عظیم کارنامہ جو آج بھی پاکستان کی سلامتی کا ضامن ہے۔ بحیثیت ادارہ اس نعمت کو حاصل کرنے کا کریڈیٹ فوج کو جاتا ہے۔ مسلح افواج کے علاوہ جو لوگ یا ادارے قابل ستائش ہیں ان میں پہلا نام ذوالفقار علی بھٹو کا ہے جس نے ایک قوم پرست دور اندیش رہنماء ہونے کا ثبوت دیا اور لیبیا کے کرنل قذافی کا کردار بھی بے حد قابل تعریف ہے جس نے سرمایہ فراہم کیا۔ پھر نام آتا ہے اصل ہیرو جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب اور ان کے گمنام ساتھیوں کا۔ آنے والی حکومت تھی ہی فوج کی جسے پہلے ہی کریڈٹ دیا جا چکا ہے کیونکہ ضیاء الحق نے بھی افغان جنگ کی آڑ میں ایٹمی پروگرام نہ صرف جاری رکھا بلکہ بعض شواہد کی بنیاد پر 1984ء میں ایٹمی مشن مکمل کر لیا تھا مگر معروضی حالات اجازت نہیں دے رہے تھے کہ ایٹمی دھماکے کر کے ملک کو مشکلات میں ڈالا جاتا۔ ضیاء دور ایٹمی پروگرام کا سب سے مشکل دور تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک طرف ضیاء امریکہ کی پراکسی وار لڑ رہا تھا مگر دوسری جانب اسے اس پروگرام کو سی آئی اے کی نظر سے بھی بچا کر رکھنا تھا۔ بلاشبہ بھٹو سے یہ اعزاز چھینا نہیں جا سکتا مگر بھٹو کو تو قتل کر دیا گیا 1979ء میں۔ پھر 1998ء تک کے بیس برسوں میں سبھی حکومتوں اور فوج نے کھلی امریکی دھمکی کے باوجود کام جاری رکھا۔ ان کا شمار بھی بہادروں میں کر لینا چاہیئے۔

آپکی بات اس لحاظ سے درست ہے کہ بھٹو نے آئیڈیا دیا لیکن اصل کریڈٹ فوج اور کہوٹہ کی پوری ٹیم کے علاوہ آنے والی حکومتوں کو بھی جاتا ہے جنہوں نے اخراجات کے لئے ہر طرح کی مدد فراہم کی۔

Mona Raza

موناڈیئر بلاشبہ بھٹو سے یہ اعزاز چھینا نہیں جا سکتا مگر بھٹو کو تو قتل کر دیا گیا1979ء میں۔ پھر 1998ء تک کے بیس برسوں میں سبھی حکومتوں اور فوج نے کھلی امریکی دھمکی کے باوجود کام جاری رکھا۔ وہ بھی تو بہادروں میں شمار کر لینے چاہئیں۔

"القدس پر ایک اور تحریر"

کالم 447 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 16، 2021ء

شمس بابر صاحب دستبر داری کے علاوہ بھی آپشنز ہیں مثلاً قبلہ اول کو تینوں مذاہب کے مشترکہ کنٹرول میں دے دیا جائے اور پورا یروشلم غیر سیاسی کر دیا جائے تاکہ سبھی لوگ امن سے عبادت کر سکیں۔

دوسرا میرے بھائی عرض ہے کہ یروشلم سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے دور میں مقدس قرار پایا، پھر حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے یہودیوں کے لئے بھی دوسرے نمبر پر مقدس قرار پایا اور یہودی آج بھی وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ پھر تیسرے درجے پر عیسائیوں کے لئے مقدس قرار پایا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ ظہور یہیں ہونا ہے اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے بھی مسجد اقصیٰ مقدس مقام ٹھہرا چوتھے درجے کے طور پر۔ مسلمانوں کا ایک اور پر تقدس سلسلہ قبلہ اول سے جڑا ہوا ہے اور وہ ہے یہ روایت کہ نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج پہ جاتے ہوئے یہیں پر نبیوں کی امامت فرمائی۔

میں اپنے سابقہ کالم میں بھی لکھ چکا ہوں کہ مسجد اقصیٰ پر پاور گیم وجہ نزاع بنی ہے اور لاکھوں انسانوں کا خون ہو چکا ہے۔ شروع میں یہودی بلا شرکت غیرے مسجد اقصیٰ پر قابض رہے۔ پھر قوت عیسائی کے پاس آئی تو وہ قابض ہو گئے۔ پھر حضرت عمر کے دور میں مسلمان نے طاقت کے بل پر یہ مسجد لے لی۔ پھر صلیبی جنگیں ہوئیں تو کبھی عیسائی اور کبھی مسلمان قابض ہوتے رہے۔ پھر سلطنت عثمانیہ ٹوٹتے ہی اتاترک نے یہودیوں کو یہاں لا بسایا جسے اسرائیل کی بنیاد رکھنا کہا جا سکتا ہے۔ پھر برطانیہ امریکہ و دیگر یورپ نے یہودیوں کی شیطانیوں سے جان چھڑانے کے لئے

کیا ایک خدا کو ماننے والے تینوں مذاہب اللہ کے حضور خون آلود ہاتھوں سے پیش ہونگے تو کس کو شفاعت حاصل ہو پائے گی؟

اگر ہم مار پیٹ یا پھر سیدھا دستبرداری کا سوچنے لگیں تو اس کا مطلب جذباتیت اور انتہا پسندی کی صورت نکلے گا۔ آرام دہ بستر پر لیٹ کر دوسروں کو جہاد جہاد کہنا بہت آسان ہے لیکن خود ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم یہودی کی بنائی مصنوعات چھوڑنا دور کی بات استعمال کم نہیں کر سکتے۔ اور یہودی کے بنائے سیل فون پر ایک دوسرے کا ہلوں کو اسی یہودی سے لڑنے کا کہہ دیں۔ اس پر ہماری آپکی ہنسی نہ چھوٹ جائے گی۔

بہت کام کی تین باتیں یاد کرا گئیں یہ خاتون رکن اسمبلی۔

1۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنی اسرائیل سے تھے۔

2۔ دوران نماز رخ قبلہ اول سے خانہ کعبہ کی طرف کروانے کا مطلب یہ بھی تھا کہ اب مسلمان اور یہودی مذہبی لحاظ سے جدا جدا ہیں۔

3۔ ہم ہر نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی بھیج رہے ہوتے ہیں کیونکہ وآل ابراہیم کا یہی مطلب نکلتا ہے۔

میری درخواست ہے کہ قبلہ اول پر ناخواندہ مسلمانوں کے جذبات مشتعل کرنے کی بجائے ان کو امن کی تلقین کرنی چاہیئے کیونکہ کوئی مسلم ملک اکیلا یا سبھی 59 ممالک کی حکومتیں مل کر بھی اسرائیل سے لڑنے کو تیار نہیں۔ جہاد کا اعلان حکومتیں کرتی ہیں گروہ یا جتھے نہیں کر سکتے۔

Ok she has provided history trail but started from the modern times, i.e., 18th century, but Palestine was important since the birth of Mosses or Judah many hundred years BC. Palestine is an ancient territory and is the birthplace of Jews and Christian religions.

When Muslims were in power they occupied Palestine around amid of 7th century. At that time, there was zero Muslim in Palestine. Muslims became interested in Aqsa mosque when observed Mirage of Holy Prophet. So Islam was the third religion occupying Palestine.

Mosque Al-Aqsa acted like a holy musical chair between Christians and the Muslims but was first occupied by Jews in 1967 some one thousand years after the first siege by Muslims. That was the time when Christians were in power.

After 1914 Jews joined hands with Christians and occupied it later in 1967 after grabbing power. Hence, it's merely a power game. Simple is that.

یہ کہانی درست ہے مگر جزوی اور واقعاتی ہے لیکن بنیادی اصول اور ہے اور وہ ہے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" جب مسلمان طاقت میں آئے تو حضرت عمر رض نے بھی تو فلسطین یہودیوں سے چھین لیا تھا جبکہ وہاں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ پھر طاقت عیسائی کے پاس آئی وہ فلسطین لے اڑے۔ پھر سلطان ایوبی نے چھین لیا پھر انگریز نے عثمانیہ سے چھینا اور یہودیوں کے حوالے کر دیا۔ قیامت کے قریب یہ پھر مسلمانوں کے پاس آئے گا اور حضرت عیسیٰؑ یہیں اتریں گے۔ اس لئے زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر عاصم صاحب اسرائیلی صحراؤں پر مسجد اقصی والے معاملات پر ایران کی جانب سے 110 مزائیل داغے جانے والے معاملے پر ایران کے تعریفی جذبے پر آپ کو سلام۔ ویسے بغیر ٹارگٹ والے ہزار میزائل بھی بیکار جاتے ہیں۔ اوپر سے مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم کے دور میں پھوکے میزائل داغ کر صرف درجہ حرارت میں ہی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ 42 مسلمان ملکوں کے کمانڈر جنرل راحیل سے مشورہ کیا تھا ایران نے؟ کہیں وہی نہ چڑھ دوڑیں شام پر؟ اللہ رحم فرمائے۔

.....

In a post requesting boycotting Jews products, brand K&N's was also included. Someone clarified as followed:

"Mr. Khalil Sattar and his wife Noshaba from Karachi are personally known to me since they started this business from small scale which later became a brand K for Khalil and N for Noshaba."

My response:

I guess that the chicken breeds, Cornish crossed with White Plymouth Rock, used by K&N's (and all other poultry industry of Pakistan as well) were first raised in 1950 in America by the Jewish companies.

In my opinion, such approach is not logical because of two reasons, i.e., birds and animals have no religion so developing them in modern industry by Jews may not be the reason to hate it. Otherwise why we skip Christians, Buddhist and Hindus?

Secondly, American Jews developed almost all today's industries of the world after they got refuge in the West in 2nd WW so how we can avoid/ hate them on the basis of religious involvement. Otherwise, we will have to lead a desert life or medieval life if in love with only Muslim achievements.

If we go by the logic I quoted above then we should not hate/ boycott any industry developed by Jews or non-Muslims unless they use pig or pig products.

In fact, we are senseless warriors thus instead of going against the countries damaging Muslim Ummah we float slogan of religion.

We shouldn't break a thin line drawn between trade war and religious war (crusades).

DR SULTAN MAHMOOD

.....

"مغربی جمہوریت یا فوجی آمریت"

کالم 448 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 21ء2021

ہم اپنے ملک میں آمریت کی طرف داری نہیں کر سکتے مگر ہم نے جہاں تک تاریخ پر نظر دوڑائی ہے ہمیں آمریت والے ممالک کے علاوہ کہیں ترقی ہوتی دکھائی نہیں دی۔ ہاں البتہ آمریت بھی وہاں جہاں آمر قوم پرست تھے۔ برطانیہ، سکینڈے نیویا، فرانس، جرمنی، سپین، پرتگال، آسٹریلیا، چین، روس، جاپان وغیرہ کے علاوہ حتیٰ کہ امریکہ کی مثالیں سامنے ہیں۔ علاوہ ازیں عثمانیہ، مغلیہ، بازنطینی، تاتاری، روما، مصری، نندا اور دیگر قدیم مگر کامیاب تہذیبوں کو بھی دیکھ لیں آپ کو ان کی عظمت آمروں ہی کے دور میں نظر آئے گی۔ وہ الگ بات کہ ان سبھی نے دو بنیادی (صحیح یا غلط) اقدامات اٹھائے۔ اول لبرل ازم یعنی مذہب کو قومی کی بجائے ذاتی سطح پر لا پٹخا سوائے اسلامی ادوار کے اور دوم لوٹ مار یعنی اپنے جنگجوؤں کے ذریعے دنیا کی امیر اقوام کو لوٹنے پر لگا دیا یا براہ راست قبضہ جا جمایا۔ مگر ان دو قابل اعتراض اقدامات کے علاوہ دوسری جانب دیکھیں تو اپنی آمرانہ نگرانی ہی میں ملک کے بہترین سیاستدانوں، سائنسدانوں، صنعتکاروں، استادوں اور ریٹائرڈ فوجیوں وغیرہ کی طویل پرورش کر کے پائیدار ادارے بنائے۔ اور بعض تو ہزار ہزار سال سے چل رہے ہیں مثلاً برطانیہ کی بعض یونیورسٹیاں۔

کیا آپ کسی ایسے ملک کی مثال دے سکتے ہیں کہ جہاں محض موجودہ طرز کی جمہوریت ہی نے قوموں کو ترقی دلا دی ہو؟ دور موجود کے جن 37 کامیاب جمہوری ممالک میں مغربی جمہوریت رائج ہے ان میں سے امیر ترین ممالک کی جمہوریت نے آمریت ہی کے سائے تلے پرورش پائی ہے سوائے بھارت، جاپان اور جنوبی کوریا کے۔ مگر ان ممالک نے بھی اپنی جمہوریت قابض ممالک کی

آمرانہ چالوں ہی سے سبق حاصل کر کے اخذ کی۔ ہمارے اپنے بنگالی بھائیوں کا ذہن شروع ہی سے جمہوری تھا لہٰذا انہوں نے بھی 24 برس ہمارے ساتھ رہ کر آمریت چکھ لی ہوئی تھی لہٰذا وہاں فوجی آمریت اپنے قدم نہ جما پائی۔

مسلمانوں کی خلافت، خلافت راشدہ سے لے کر عباسیہ اور امیہ تک آمریت اور جمہوریت کے بیچوں بیچ یا ملغوبے کی بہترین اقسام میں سے ایک تھی۔ سلطنت عثمانیہ ہو یا سلطنت ہسپانیہ، یہاں خلافت راشدہ والی سابقہ مذہبی گرفت جوں جوں کمزور پڑتی چلی گئی ان پر دوسری تہذیبیں غالب آتی چلی گئیں۔ برطانوی نظام بادشاہت کی کامیابیوں کو اگر دیکھیں تو یہ آج بھی قائم ہیں بلکہ اس کے اندر ہی سے امریکہ بھی برآمد ہوا ہے، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بھی اور ان کی بہترین جمہوری قدروں کے اوپر اب بھی بادشاہت کی چھایا ہے۔ مغلیہ آمریت میں بھی دور دور تک مذہب کی چھاپ نہ تھی اور رواداری کے شوق میں اکبر درجنوں غیر مسلم قوموں سے عورتیں لے لے کر نکاح کرتا چلا گیا حتی کہ اس نے اسلام کو طاق نسیاں پر رکھ کر دین الٰہی ایجاد کر مارا مگر یہ خاندان لگ بھگ نو سو سال پھر بھی نکال گیا بلکہ ہندوستان کو سونے کی چڑیا تک بنا گیا۔ یہ سبھی قصے مغربی جمہوریت سے پہلے کے ہیں۔ رہی موجودہ مغربی جمہوریت تو یہ ان پڑھ اقوام کے لئے زہر قاتل ہی ثابت ہوئی ہے، بقول علامہ اقبال:

کیا تو نے دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری مزاج۔۔۔۔
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔۔۔۔

مندرجہ بالا تاریخی تجزیہ اگر ہم کر سکتے ہیں تو ہماری پیشہ ورانہ فوج کے تربیت یافتہ ذہین دماغ کیوں نہیں کر سکتے؟ ہو سکتا ہے ہماری فوج بھی ایسی ہی کسی حکمت عملی پر چل رہی ہو کہ سوڈیڑھ سو سال

میں شاید وہ بھی برطانوی طرز کی نہ سہی ملائیشین طرز ہی کی ہمیں کامیاب قوم بنا سکے لیکن چوہتر سالوں سے اسے مرضی کے سیاستدان، صنعتکار، استاد وغیرہ نہ ملے ہوں

The topic is so vast that it can't be summarised or come into conclusion with a particular frame of mind or with already set patterns.

Ok I may wait for second opinion to finalize it before publication.

Sultan sahab sorry to say. Your articles are biased. controlled. against facts. Please aap say request hay yahanna share kia karain

[5/22, 00:47] +92 346 5816090: May Allah give you baseerat to compile your thoughts.

[5/22, 00:54] Sultan Mahmood: کیوں نہ شئیر کروں جی؟اس گروپ پر کیا کسی کا اجارہ ہے؟یا یہ گروپ کے اصولوں سے انحراف ہے؟اگر آپ پروفیشنل ہیں تو اپنا نقطہ نظر پیش کریں اور معاملات کو حل کرنے کی جانب توجہ کریں بجائے kill the problem والی پالیسی کے۔

[5/22, 00:56] +92 300 8430785: hamainaap ki publicity yaaap kay articles main koi dilchaspinahi bhai. Akhbaron main chapain, why you are using this forum for business activities?

[5/22, 00:56] +92 346 5816090: Please, Sir, give us your knowledge and share, we welcome you.

[5/22, 00:56] +92 300 8430785: we are not intrested in your articles

[5/22, 00:59] +92 346 5816090: Those who are not interested they are under no compulsion to follow the articles. They may skip these and follow their own likings.

[5/22, 01:03] Sultan Mahmood: You just scroll down my postings just I do for you 😔 . But I WILL share here definitely irrespective of the fact that someone likes or not 🪖

[5/22, 01:04] +92 300 8430785: I am talking of your articles intended for press or social media sir. hum to yar koi comment kardain gay yakisi ki post forward kardain gay

[5/22, 01:10] +92 346 5816090: Please make some effort to share your thoughts with us in the group. Just forwarding other messages is childish.

Come up with some original ideas.

[5/22, 01:11] Sultan Mahmood: My articles are going in the press as well as in more than 100 various groups. Please don't worry about my articles. If they irritate you, I'm sorry but, in fact, it's not my problem BROTHER 🌹

[5/22, 01:12] Sultan Mahmood: Thanks Sir. I salute your professionalism 🌹 ❤️

[5/22, 01:14] +92 346 5816090: We will like to read your articles and blogs in this group.

سر و قار الحق صاحب :

یہ آپکی بات بڑے پتے کی ہے کہ پوسٹیں ادھر ادھر لڑھکاتے چلے جانا بچگانہ سی حرکت لگتی ہے ماسوائے کچھ اہم خبروں کے۔

کی بے حد کمی ہے اور اگر کوئی یہ ہمت کر ہی بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں طبعزاد تخیلات بیٹھے تو سب سے پہلے تو "دانشور" ہی خبر لینے پہنچ جاتے ہیں۔

میں بھی سبھی کی طرح طالب علم ہوں اور لکھنے کا مقصد محض میرے ذہن کی تربیت ہے تا کہ میں کم سے کم غلطیاں کروں۔ اس کو اگر کوئی اس تناظر میں لے لے کہ میں شہرت کے لئے لکھتا ہوں یا اپنی مارکیٹنگ کر رہا ہوں تو آپ بتایئے کہ کیا یہ سوچ بالغانہ ہے؟

میں تو (بقول اقبال) تندی باد مخالف سے کبھی گھبرایا ہی نہیں اور (بقول قائد علیہ رحمت) میں لکھتا اور بولتا رہوں گا جب تک کہ میرے مخالف مجھے اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں۔ اپنا نقطہ نظر دینے میں آخر حرج بھی کیا ہے؟

Very nice Dear. We need original writers like you who can highlight our social life and provide food for thought.

May Allah bless you Sir.

محترمہ درست کہہ رہی ہیں۔ پاکستانی سفارت خانے بیشمار مسائل میں گھرے رہتے ہیں اور کسی بھی دور میں حکومت وقت ان پر وہ والی بھرپور توجہ نہیں دے سکتی جو بھارتی سرکار اپنے سفارت خانوں کو دیتی ہے۔ میں نے بھی آنریری ایجوکیشن اتاشی رہ کر یہی کچھ دیکھا ہے۔

"کبڑے کو پڑی لات"

کالم 449 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 31، 2021ء

بائی دی وے کبھی سوچا ہے کہ آخر انگریز نے پاکستان بننے کیسے دیا؟ ہندو کیسے اتنی جلدی مان گیا؟ اصولوں کے سخت پابند قائد آعظم کیسے ناراضگی ختم کر کے ہندوستان آ بھی گئے اور پاکستان بنا کر فوت بھی ہو گئے؟

ویسے ہمارے لئے تو یہ ملک رحمت ثابت ہوا کیونکہ کرونی طرز کے لوگ بھلا کہاں ہندوؤں کی خدمت کے لئے گائے کا موتر اور گوبر اکٹھا کرتے پھرتے جواب "میرٹ" پر ڈاکٹر پروفیسر بن کر اٹھلاتے پھرتے ہیں؟

کچھ سوال اور۔۔۔

انگریز نے فوج میں شامل ہندو سکھ بلوچ وغیرہ تو تقسیم کے مطابق دیئے لیکن اسلحہ کیوں آدھا آدھا دیا؟ یہ نقطہ کس جانب اشارہ کرتا تھا؟

مولانا مودودی، احتشام تھانوی، مفتی محمود و دیگر پاکستان کی مخالفت اور قائد آعظم کو کافر آعظم کہنے والے کس کے اشارے پر دم دبا کر پاکستان آ گئے؟

ہندوستان سے لیاقت، بلوچستان سے قاضی عیسیٰ، سندھ سے کھوڑو، بمبئی سے مرزائی سر ظفر اللہ، پنجاب سے دولتانے ٹوانے اور لغاری، سرحد سے غلام غوث ہزاروی، بحریہ کے گورے جنرل گریسی، بیوروکریسی کے غلام محمد اور محمد علی کی طرح کے درجنوں انگریز کے پٹھو کیسے اور کس نے قائد کے گرد جمع کئے جنہوں نے قائد کے کاندھے پر سے انگریزی نشانہ مار کے وطن کی کمان سنبھالنے کے لئے مل جل کر قائد کا قتل کیا۔

کیوں نہ کرتا تھا؟ ایوب اور لیاقت کا گٹھ جوڑ کیوں ہوا اور ایوب قائد کو

1839 تک "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" کا نعرہ ایجاد نہ ہوا تھا۔ اور اسلام کی بجائے مسلمان کا نام 1956 کے چناؤ میں سامنے آیا، 1940ء میں پہلی بار علحدہ وطن کا لفظ بولا گیا، 7 برس کے اندر اندر مسلم لیگ انتخاب بھی جیت گئی اور اگلے سال ملک بھی مل گیا کسی بھی تحریک، تشدد، قید و بند، اور ہلاکت کے بغیر (لاکھوں انسان غلط تقسیم کے نتیجے میں نقل مکانی کرتے مارے گئے لیکن ایک بھی تحریک کے نتیجے میں قتل نہیں ہوا)۔ نہ انگریز کا وٹ بنا، نہ ہندو اور نہ مسلمان۔ ہے نہ مزے کی بات۔

ان سوالوں کے درست جواب کبھی بھی مطالعہ پاکستان کا رٹہ لگانے والے نہیں دے سکتے۔ اس کے لئے صرف ایک درجن کتابیں پڑھنے کی ضرورت ہے مگر پڑھے کون۔ یا تو ان پر ڈگری ملنی ہو تو کرونی رٹے کے زور پر ڈگریاں "ٹھگ" لیتے لہٰذا در جنوں بے نصابی کتابوں کو پڑھنے والے کا جواب ایک فقرے میں یہ ہے کہ:

پاکستان، امریکہ و برطانیہ نے اپنے مقاصد کے لئے بنوانے کے لئے قائد کو بحثیت وکیل کیس دیا، بنا کر فوج کے حوالے کیا جس نے گورے کے لئے سوویت یونین توڑا، چین کو گھیرنے کے لئے امریکہ کو اڈے دیئے جو امریکہ 20 برس بعد بھی افغانستان سے نہیں لے سکا اور اب ہم امریکہ چین کی باہمی چپقلش میں بحیثیت پراکسی پھر سے قربان ہونے کو تیار ہیں۔

ہم لڑیں گے نواز شریف، زرداری عمران پر، شیعہ سنی وہابی پر، آرائیں جاٹ راجپوت پر۔۔۔۔ اور وہ کریں گے وہی کام جو انہیں 1938ء میں سٹالن کے آتے ہی انگریز نے سونپ دیا تھا۔

بہت ساری معافی اگر ہاضمہ درست نہیں تو ان درجن کتابوں کے نام بھی لکھ بھیجتا ہوں۔

کالم450ازڈاکٹر سلطان محمود

https://www.facebook.com/watch/?v=319433486449349

"گھوڑا اور کوا"

کالم 451 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 12، 2021ء

جنگلی ریاست میں ایک بڑے میدان بیچ بے شمار کوئے ایک مردہ چوہے کو نہ صرف چونچیں مار رہے تھے بلکہ خوامخواہ کی کائیں کائیں سے آسمان بھی سر پر اٹھا رکھے ہوئے تھے۔ مردار چوہے کی لاش بھنبھوڑنے کے بعد خاموشی سی چھا گئی کیونکہ اب وہ مزید کسی مردار کی تلاش میں تھے۔ کوؤں کا سردار ایک انتہائی بدنما مجہول سا بوڑھا کوا تھا جسے شائد اس کا خاندان اس کی حرامزدگیوں کی وجہ سے عاق کر چکا تھا۔ اس لئے وہ دو کام ضرور کرتا تھا۔ اول تو ہر وقت شور مچا مچا کر اپنا احساس کمتری چھپاتا رہتا تھا اور دوم وہ اپنے سے طاقتور کسی بھی دوسرے جانور کی آمد پر جل بھن جاتا اور کوشش کرتا کہ اس نئی طاقت کی آواز ریاست میں گونجنے نہ پائے۔

کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس جنگلی ریاست میں ایک طاقتور مست گھوڑا آن بسا۔ جو اپنی جسمانی طاقت کے علاوہ ذہن کا بہت مثبت تھا اور اس کی آمد نے باقی حیوانوں میں کافی گرما گرمی بھر دی تھی۔ اب سینڈل نما کوا جل کر راکھ ہو گیا اور لگا بے تکی کائیں کائیں کرنے۔ جنگلی جانور چونکہ اس بھدے کوئے کی عادت سے واقف تھے اس لئے بہت سے خوبصورت ہرن، جغادری چیتے، بزرگ ہاتھی اور دیگر جانور اس مست گھوڑے سے محبت کرنے لگ گئے۔ کوئے کے لئے یہ حالات سوہان روح تھے بلکہ اگر کئی دوسرا جانور گھوڑے سے بات بھی کرنے لگتا تو یہ کالا کوا برا مناتے ہوئے گھوڑے پر طرح طرح کے تبرے باندھتا۔ کبھی کہتا کہ اس کا راتب دشمن بھیجتا ہے، کبھی اسے جنگل کے بادشاہ کا ٹاؤٹ بناڈالتا اور کبھی کچھ نہ بن پاتا تو حسد کی آگ بجھانے کی خاطر یہی کہتا کہ اس مست

گھوڑے کا راتب حرام کا ہے۔ حالانکہ خود ہر وقت مردار ڈھونڈتا لیکن گھوڑے کی پسندیدہ سبز گھاس کو حرام قرار دیتا رہتا۔

ان حالات سے اپنی ریاست کا نظام خراب ہوتے دیکھ کر ایک بار تو بادشاہ سلامت کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے گھوڑے اور کوئے پر باہمی گفتگو پر پابندی بھی لگا دی لیکن پھر ذاتی مصروفیت کے باعث انہیں ان کے حال پر چھوڑنا پڑا۔ لیکن۔۔۔۔۔۔

بیچارے کالے کرتوت اور غلیظ ذہن والے ایسے مکمل کتے ہیں جن کے دھڑ کے ساتھ مقدس قلم کی بجائے کریہہ النظر کتے ہی کا سر اور زبان بھی ہے۔

میرا خیال تھا کہ میں چھوٹی اور کریہہ ذہنیت والے کالے کوؤں کے منہ نہ ہی لگتا تا کہ میرے شفاف لباس پر گندگی کے چھینٹے نہ پڑتے لیکن کبھی کبھار صاف ستھرے شخص کو بھی لنگوٹ باندھ کر گندگی میں اترنا پڑ ہی جاتا ہے اور ایسے حیوانوں کو کتے کے ٹھیکرے پانی پلانا ہی پڑتا ہے۔ یہ جس نے بھی اپنے خاندان کے افراد کی تصویر لگائی ہے اسے شائد میرے سمیت سبھی شرفاء نہیں جانتے ہونگے اور نہ غیر پیشہ ور کوئے نما لوگوں کو جاننا ضروری بھی ہے لیکن جس جرأت سے آج کے دور میں حرام خور دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھ رہے ہیں انہیں اپنے خون کی حلالی بھی چیک کرا لینی چاہئیے ڈی این کے ذریعے۔

سر معذرت خواہ ہوں کہ اعجاز سڈل کو میں نے شروع ہی میں اس کے ہتک آمیز رویے کی وجہ سے لمبی شٹ اپ کال دے دی تھی اور اسے تب سے اب تک میں نے نہ مخاطب کیا ہے اور نہ اس کی واہیات پوسٹوں پر تبصرہ کیا ہے۔ لیکن وہ شائد کتے کی دم ہے جو سیدھی نہیں ہو پا رہی اور اب اس نے مجھے براہ راست طنز کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ اب میرا پیمانہ صبر لبریز ہے اور میں اس کی حرامزدگیوں کا جواب دینے لگا ہوں۔

ڈاکٹر سلطان محمود

کالم452ازڈاکٹر سلطان محمود

لاہور کے فٹ پاتھ پورا ایک جہان ہیں۔لائبریریاں، میڈیکل وڈینٹل کالج، آئی ڈیپارٹمنٹ، کھابے، ٹھنڈی ٹھار لسی، دل بہار فالودہ، فزیوتھراپی (مالش)، مستقبل شناسی، کالا علم، وغیرہ جتنا یہاں موجود ہے اتنا مارکیٹوں کے اندر نہیں۔

"ہماری کائیں کائیں"

کالم 453 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 19، 2021

یہ محقق کھلے عام کسی کانفرنس میں ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کے قتل عام کی وجوہات بیان کر رہا ہے۔ کہتا ہے ڈیڑھ سو سال پہلے یہودی تمام جرمن آبادی کا محض دو فیصد تھے۔ لیکن اقلیت میں ہونے کے باوجود انہوں نے ایک سو سال کے اندر اندر ساری قوم کو یرغمال بنالیا۔ دراصل انہوں نے تین کام کئے جو پہلے ان کی وجہ طاقت اور پھر وجہ ہلاکت بنے۔

اول انہوں نے سارے میڈیا کا کنٹرول سنبھال لیا اور یسوع مسیح نیز عیسائیت کی توہین شروع کر دی۔ دوم انہوں نے عوام کو بنکنگ کے نظام میں یوں کس کے باندھ دیا کہ عام شہری غریب سے غریب تر مگر وہ خود امیر سے امیر تر ہوتے چلے گئے۔ لیکن تیسرا کام سب سے خطرناک یہ کیا کہ پوری قوم میں بے حیائی، زناء خصوصاً ہم جنس پرستی یوں پھیلا دی کہ نکاح کا تصور تقریباً ختم کر دیا۔ قصہ مختصر عام شہری کو بداخلاقی، ہوس مال و زر نیز پروپیگنڈے کی سنہری زنجیروں سے باہم باندھ کر اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا اور خود ساری ملکی دولت پر قابض ہو گئے۔ مقرر بتا رہا ہے کہ یہ سبھی کچھ اس کا ذاتی تعصب نہیں بلکہ اس نے پچھلے ڈیڑھ سو برس کے لٹریچر سے اخذ کیا ہے۔

دور حاضر میں یہودیوں کے مذکورہ اقدامات کا بغور جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ یہی سبھی اسباق ہمارے ملک میں بھی تسلسل سے دہرائے جا رہے ہیں مگر یہودیوں کے ذریعے نہیں بلکہ ہماری اپنی منتخب حکومتوں کے ذریعے۔ وہی حکومتیں جنہیں ہم خود اپنے اوپر سوار کرتے ہیں پھر ہم میں سے کائیاں لوگ اس حکومت کا حصہ بن کر دنیاوی مفادات کے حصول کے لئے یہی تینوں کام کرتے ہیں۔ اور جب ہمارے ذاتی مفادات کو اگلی حکومت اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ٹھوکر لگاتی ہے تو ہم فوراً

جیالے، پٹواری اور یوتھیئے بن کر کوؤں کی طرح کائیں کائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آپ ذرا نہ سوچیئے بلکہ پورا سوچیئے۔

"دوستی کا بارہواں درجہ"

کالم 454 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 2021ء20

عربی ایک انتہائی آسان، وسیع اور گہری زبان ہے۔ یہ زبان لفظ دوستی کو بارہ درجوں میں تقسیم کرتی ہے۔ مثلاً زمیل، جلیس، سمیر، ندیم، صاحب، رفیق، صدیق، خلیل، انیس، نیجی، سیفی اور قرین۔ ہم اپنی حیاتی میں عموماً بمشکل پانچویں درجے تک ہی پہنچ پاتے ہیں حالانکہ بارہویں درجے تک پہنچنا بھی ممکنات ہی میں شامل ہے۔ اگر ہماری زندگی میں کوئی بارہویں درجے والا ہے یا ہم خود اس درجے پر فائز ہیں تو یقین کریں ہم انتہائی خوش قسمت ہیں اور ہمیں اس شخص کی خصوصی قدر کرنی چاہئیے۔ ذہن میں رکھیں کہ دوستی کے ان درجات کی تعریف میں مرد و زن کی تخصیص نہیں۔

ملاحظہ کیجئیے دوستی کے مختلف مدارج:

1۔ زمیل: جو صرف ہم سے سرہلا کر متفق ہوتا ہے اور واقف بن جاتا ہے (مثال شاگرد یا دفتری ساتھی، وغیرہ)

2۔ جلیس: جس کے ساتھ ہم کچھ وقت گزارنا یا بیٹھنا پسند کرتے ہیں (مثال کاروباری ساتھی، کزنز، وغیرہ)

3۔ سمیر: جن سے ہماری اچھی خاصی گفتگو ہو جاتی ہے اور پھر یہیں سے معاملات سنجیدگی کی جانب مڑ سکتے ہیں۔ (مثال سوشل میڈیا کے دوست، عوامی گفتگو کے مخاطبین وغیرہ)

4۔ ندیم: ہم نوالہ و ہم پیالہ۔ جن سے اکثر فرصت کے لمحات کا اشتراک ہوتا رہتا ہے (مثال ہم جماعت، بچپن کے ساتھی، محلے دار، یا ممکنہ طور پر رشتے دار، وغیرہ)

5۔ صاحب: وہ جو ہمہ وقت ہماری خیر و عافیت کے طلبگار رہتے ہیں۔ ہم میں سے اکثریت کی دوستی یہیں تک محدود رہتی ہے۔ (مثال بزرگ، خاندان، کاروباری پارٹنرز، مشترک مفاد والے، سیاست و مذہب کے گروہی ساتھی، وغیرہ)

یہاں تک دنیاوی تعلقات کے مدارج ہیں۔ اب اگلے درجے حقیقی دوستی کی وضاحت کرتے ہیں جو زیادہ تر روحانی سمجھے جاتے ہیں۔ دیکھئیے اور دھنئیے:

6۔ رفیق: جن پر ہم انحصار کر سکتے ہیں۔ اور ہم ان کے ساتھ رہ سکتے ہیں (مثال میاں بیوی، بہن بھائی، والدین، مرشد، وغیرہ)

7۔ صدیق: وہ سچا دوست جو اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر ہم سے دوستی ختم نہیں کرتا۔ انہیں ہم خاندانی کہہ کر پکارتے ہیں یا پھر دینی ساتھی۔ (مثال اللہ والے، تصوراتی بھائی بند، وغیرہ)

8۔ خلیل: رازدان۔

جن کی موجودگی ہمیں خوشی دیتی ہے۔ نفسیات میں کہتے ہیں جن کا اورا Aura مل جاتا ہے یہ شاعری کی جان ہیں مگر زیادہ تر یکطرفہ یا تصوراتی ہی ہوتے ہیں۔ (مثال دنیاوی محبوب یا رب سے لو لگائے اصلی صوفی)

9۔ انیس: ایسا قریبی ساتھی جس کے ساتھ ہم حقیقی طور پر گہری آسودگی محسوس کریں (مثال صرف ماں، کوئی بزرگ، لنگوٹیا دوست، یا دنیاداری میں جسمانی و صوتی آسودگی پہنچانے والے، وغیرہ)

10۔ نیجی: انتہائی وفادار، مخلص اور گہرا قابل بھروسہ دوست۔ یہ جان مال، ذاتی عزت اور اپنی انا بھی دوست کے لئے قربان کر سکتے ہیں۔ (مثال والدین، صحابہ کرام، وغیرہ)

11۔ سیفی: مندرجہ بالا تمام درجوں کے حامل دوستوں میں سے جس کا ہم باہم خصوصی انتخاب کرتے ہیں۔ ان کی آپس میں انانام کی بھی نہیں ہوتی (چونکہ ہم سب کی زندگی کی کہانی مختلف ہے .اس لئے مثال اپنی اپنی)

اور دل تھام کے اگلے دوست کا درجہ دیکھیں

12۔ قرین: نا قابل جدائی شخص۔ جس میں دونوں ایک جیسا سوچتے ہیں اور کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی. سبھی ایسا دوست ڈھونڈتے ہیں مگر نہ ملتا ہے اور نہ ہم خود اپنے آپ کو ایسا ثابت کرتے ہیں۔ (مثال مفقود)۔

آیئے ہم اپنی زندگی اور نفسیات کے گم گشتہ کونے کھدرے کھنگالیں اور جہاں کہیں کمی محسوس کریں اسے آج ہی سے پورا کرنے کی جہد مسلسل کریں نیز تھوڑی بہت قربانی سے گزر کر دوستی کا بار ہو اں درجہ حاصل کرنے کی صدق دل سے کوشش بھی کریں۔ یاد رکھیئے کہ کرکٹ میں بارہواں کھلاڑی انتہائی اہم ہونے کے باوجود فالتو سمجھا جاتا ہے مگر دوستی کا بارہواں درجہ عنقا ہونے کے باوجود ہمارے اندر موجود رہتا ہے۔

"نئے پاکستان کا لالی پاپ"

کالم 455 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 26، 2021ء

بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق چوری شدہ اثاثہ جات کی 2020ء کی رپورٹ کے مطابق آف شور کمپنیوں والے مافیا کے علاوہ ملک کے ڈیڑھ لاکھ سابقہ حکمرانوں کے پاس بیرون ملک 1300 ہزار ارب روپیہ پڑا ہے۔ ان چوروں میں ہر طبقے کے لوگ موجود ہیں بشمول نواز شریف، شہباز شریف، آصف زرداری، مشرف، ضیاء، بھٹو، ایوب، بینظیر کے علاوہ انکے سہولت کار فوجیوں، ججوں، گدی نشینوں، افسر شاہی یعنی پولیس، ایف آئی اے، دیگر خفیہ اداروں کے علاوہ کسٹمز، میری ٹائم، پی آئی اے، ریلوے، بارڈر سکیورٹی، واپڈا، اریگیشن، ہاؤسنگ، ایل ڈی اے، کے ڈی اے، ایف ڈی اے وغیرہ، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت دفاع وغیرہ وغیرہ کے سابق و موجودہ افسران، انکے خاندانوں، دوستوں اور عمران کو ذاتی طور پر چھوڑ کر اس کے دوستوں وغیرہ کے غیر ملکی پچاس ہزار اکاؤنٹس میں ہمارے ہی ملک کی لوٹی ہوئی دولت کے لگ بھگ 1300 ہزار ارب روپے پڑے ہیں جو ملکی ترقی اور قرضے سے لوٹ کر بیرون ملک دبائے گئے اور پاکستان میں 40 فیصد غربت کا باعث بنے ہیں۔ بیرون ملک بجھوائی جانے والی اسی دولت کی کمی سے روپیہ کمزور ہوا، بجٹ خسارے میں چل رہے ہیں، ہر محکمہ زوال پذیر ہے اور معیشت کا پہیہ رک رک کر چلنے کے باعث ہم ہمیشہ دیوالیہ پن کے دہانے پر کھڑے رہتے ہیں۔

اس رقم کے علاوہ ایک محتاط اندازے کے مطابق لگ بھگ 500 ہزار ارب روپے اندرون ملک مافیاز کے جتھوں یا کارٹلز نے نقدی و دیگر اثاثہ جات کی شکل میں دبا رکھے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ

اندرونی اور بیرونی چور کوئی الگ الگ مافیاز نہیں بلکہ ایک ہی درخت کی جڑیں اور پھل ہیں جو ملکی وسائل کا پانی اور دیگر غذائی اجزاء چوس چوس کر پھل بیرون ملک جمع کرتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ یہ بظاہر مقدس مگر در حقیقت پلید گائیاں ہیں جو چارہ ملک کا کھا کر دودھ بیرون ملک آقاؤں کے حوالے کرتی ہیں۔

عمران کی مخالفت عوام میں مہنگائی، عدم تحفظ اور وقت ضائع ہونے کے باعث بڑھتی چلی جارہی ہے نیز اس لئے بھی شدت پکڑ رہی ہے کہ یہ خود کھاتا نہیں، اپنے ہی ساتھیوں کو مگر ملک کھانے سے روک نہیں سکتا نیز ہاتھ دھو کر ایسے چوروں سے لوٹی دولت واپس لانے جیسی ناممکن مہم کے پیچھے پڑ کر ملک کا وقت برباد کر رہا ہے جنہیں انہی ایجنسیوں کی بھرپور مدد حاصل ہے جو ان چوروں کی ماضی میں سہولت کار رہیں۔

- اس وقت صورتحال یہ ہے کہ کل 73 کھرب روپے کے اخراجات کا بجٹ پیش ہوا ہے نیز کل جی ڈی پی 436 کھرب بتائی گئی ہے۔
- حکومت پاکستان پر کل بیرونی اور اندرونی قرضہ تقریباً 45 کھرب روپے ہے۔ جس میں چین کیطرف سے دیئے گئے نرم شرائط والے 90 کھرب روپے شامل نہیں۔ وگرنہ بائیس کروڑ عوام پر 135 کھرب روپے قرض ہے۔ جو کہ کل قومی پیداوار (جی ڈی پی) کا ڈیڑھ گنا ہے جبکہ جی ڈی پی کے برابر قرضے کو معیشت کا دیوالیہ پن کہتے ہیں۔
- سو فیصد آبادی کو تعلیم دلوانے کے لئے۔۔۔ ہزار ارب روپے کی ضرورت ہے۔
- سو فیصد آبادی کو بنیادی صحت سے لے کر صحت کی اعلی سہولتیں حاصل کرنے کے لئے ۔۔۔ ہزار ارب روپے چاہئیں۔
- معیشت کو بھارت و بنگلہ دیش کے برابر لانے کے لئے۔۔۔ ہزار ارب روپے چاہئیں۔

- بلا تخصیص صوبہ جات ملک کے طول و عرض میں ذرائع رسل و رسائل (سڑک، ریل، ہوائی و بحری جہاز رانی) کا جال بچھانے پر۔۔۔۔ ہزار ارب روپے چاہئیں۔
- یعنی نیا پاکستان بنانے کے لئے کل ملا کر۔۔۔۔ ہزار ارب روپے کی ضرورت ہے۔ جبکہ اس سے دگنی رقم کل آبادی کا محض آدھا فیصد چور طبقہ یا تو باہر لے جا چکا ہے یا اندرون ملک دبائے بیٹھا ہے۔

اب ملک کو ترقی دینے والا فارمولا بولنے لکھنے کی حد تک تو بے حد آسان ہے کہ جیسے عام آدمی سمجھتا ہے کہ ان آدھے فیصد چوروں سے دولت چھین کر ملک پر لگا دی جائے۔ لیکن عملاً امام خمینی جیسا رہنماء نہ ہونے کی بناء پر تقریباً ناممکن ہے۔ کون سا چوہا بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا یا کون سا مجاہد بندوق کے سامنے سینہ تانے گا؟ اس ڈیڑھ لاکھ چوروں کے گروہ کا قلع قمع تبھی ممکن ہے کہ کسی خمینی جیسے دردمند، ایماندار اور مضبوط رہنماء کے ہاتھ طاقت کل آجائے۔

نعرے کی حد تک نیا پاکستان بنانے اور ریاست مدینہ کے دعوے عمران کے عوام اور سوشل میڈیا میں موجود 20 فیصد حامیوں کے لئے خوش کن ہیں جو دن رات اس کی ذاتی تعریف و توصیف میں محبت کے ڈونگرے برساتے رہتے ہیں بشمول ہمارے بھی مگر وہ تب جب کبھی اندر سے اچھی خبر مل جاتی ہے۔ 10 فیصد مخالف مردہ سیاسی جماعتوں اور ان کے چیلوں کے لئے یہی نعرے سوہان روح بنے کھڑے ہیں کیونکہ وہ لوٹ مار کے نظام کو دوبارہ پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ 65 فیصد عام آدمی کے لئے یہ نعرے اس وقت تک بکواس ہیں جب تک وہ حقیقی مہنگائی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں

اور اپنے روز گار کے مستقل انتظام سے قاصر ہیں۔ لیکن عوام میں ایک انتہائی قلیل یعنی محض پانچ فیصد سنجیدہ باشعور طبقہ ایسا بھی یہیں موجود ہے جن کے نزدیک نئے پاکستان کا نعرہ محض لالی پاپ ہے اس وقت تک کے لئے جب تک اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھ نئی کٹھ پُتلی نہیں آجاتی کیونکہ موجودہ حکومت نئے پاکستان کے خواب کو حقیقت کا روپ اس لئے نہیں دے پارہی کہ تباہ شدہ معیشت سے نظام حکومت کو بہتر بنانے کے لئے یہ نشان دہی نہیں کر پارہی کہ کام شروع کہاں سے کرنا ہے۔

"فی البدیہہ خان"

کالم 456 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 21ء27

فی البدیہہ وزیر اعظم بھی ایک عذاب ہوتا ہے ہمارے جیسی قوم کے لئے۔ خصوصاً جبکہ اس نے اپنے ماضی اور حال میں خود کافی تبدیلی لائی ہو۔ خان صاحب اپنی سابقہ زندگی کے پہلے 45 برس نا صرف انگریزی بولتے، لباس پہنتے اور انگریزی کلچر کے دلدادہ رہے بلکہ شادی تک انہوں نے برطانیہ میں کی۔ پھر انکی خوش قسمتی کہ ہما ان کے سر پر آن بیٹھا اور انہیں بد قسمتی سے مقتدر طاقتوں کا اسلامی و پاکستانی نظر آنے والا وہ چولا پہننا پڑا نے آزادی کے فوراً بعد پورے ملک کو پہنا دیا تھا۔ اگر خان New architects of Pakistan صاحب کی جگہ میں یا آپ ہوتے تو ہم بھی یقیناً یورپی ساحلوں سے براہ راست پاکپتن شریف پہنچ جاتے۔ لیکن کون سمجھائے "بغض عمرانی" کے شکار مریضوں کو جو انہیں معاف کرنے پر تیار نہیں حالانکہ وہ یہی سمجھ کر انہیں معاف کر دیں کہ شائد خان نے رب کے سامنے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی ہو۔ ہماری قوم کو پرچی وزیر اعظم زیادہ بہتر لگتا ہے جو اپنا دماغ استعمال کر کے ذلیل ہونے کی بجائے بہتر کام کرتا تھا کہ پس پردہ پوری ٹیم کا تحقیقی مواد پرچیوں پر لکھوا لیا کرتا تھا۔ ہمارے ماضی میں معذور غلام محمد بھی تو آخر گورنر جنرل بن کر حکومت کرتا ہی رہا ہے ناں۔ تو ہمیں پھر کیسے عمران سوٹ کرے گا؟ ہماری قوم نے تو بھٹو جیسے عالمی سطح کے مقرر کو بھی ہنگال کر پرے پھینک دیا تھا۔

مکمل کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"قرآن تو بول رہا ہے مگر ہم بہرے ہو چکے"

کالم 457 از ڈاکٹر سلطان محمود

جون 28، 2021ء

ایک قلمی دوست نے قرآن میں کوئی ڈیڑھ درجن نقص نکال کر ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود لکھی اور عربوں کے لئے لکھی اور اس میں مستقبل بینی سرے سے ناپید ہے۔ جذباتی ہوئے بغیر ہم نے عرض کی ہے کہ اگر ایسے خیالات کسی ایسے شخص کے ہوتے کہ جس نے سنجیدگی سے قرآن کا مطالعہ یا اس پر تحقیق کی ہوتی تو بحث اور ڈائیلاگ کا جواز بھی بنتا۔ لیکن بہر حال صاحب پوسٹ نے اگر قرآن کے بارے کچھ نکات غیر مسلموں سے مستعار لے کر لکھ ہی دیئے ہیں تو چند سوالات ہمارے بھی ذہن میں ابھر آئے ہیں۔ صحیح معنوں میں قرآن کا ادراک رکھنے والے صاحبان علم و عرفان اگر اس موضوع کو آگے چلانا چاہیں تو علمی بحث میں ہمارے سوالات و خیالات کو بھی جگہ دے کر ان کی روشنی میں اپنی تحقیق سے آگاہ کریں۔ ہماری عرضداشت مندرجہ ذیل ہے:

1 قرآن کو خود مسلمان نے ہی گیارہویں یا بارہویں صدی عیسوی میں طاق نسیاں کر دیا تھا اور اس پر اور اس کے پیغامات پر تحقیق بند کر دی تھی۔ تو کیا ایسی کتاب پر اعتراض کرنا عقلمندی ہو گی جسے پچھلے ہزار سال سے سمجھنے کی خاطر کھولا ہی نہ گیا ہو؟

2 کیا قرآن سائنس کی کوئی تحقیقی کتاب ہے یا سائنس کی ماتحت کتاب ہے جس کے لئے ضروری ہو کہ وہ آج کی سائنسی ترقی کی روشنی میں سبھی سائنسی موضوعات کو زیر بحث لائے؟

3 اگر موصوف قرآن کا خطاب، مقصد اور انداز سمجھتے ہوتے تو یہ کبھی نہ کہتے کہ اس میں یہ نہیں اور وہ نہیں۔ بلکہ علماء سے یہ پوچھتے کہ مجھے یہ سقم محسوس ہوتے ہیں تو میں ان کو کن قرانی آیات سے اخذ کر سکتا ہوں تا کہ مفصل علم کے ساتھ اسے قبول کروں یا پھر مسترد کر دوں

4 موصوف کے دلائل یا نکات چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی کاوش ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بنا کر دکھا دیں چند آیتیں یا چند سورتیں یا ایسی ہی کوئی مکمل کتاب کیونکہ آج تو ہمارے پاس علم و تحقیق کے کئی مددگار ذرائع موجود ہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہمارا مشورہ ہے کہ قرآن میں سقم ڈھونڈنے کی پوری یونیورسٹی بنا کر اس میں مخالف محققین بٹھا کر اگلے سو برس میں ہی ایسی کتاب بنا کر پیش کر دیں۔ یہ ہم عقیدت میں نہیں بلکہ قرآن کے توازن کو دیکھ کر کہہ رہے ہیں۔

5 اگر قرآن کو مسترد کر دینا، غلطیاں پکڑ لینا نیز عقلی دلائل دیکر کروڑوں انسانوں کو گمراہ کرنا ممکن ہوتا تو آج تک غیر مسلم یہ کام کر چکے ہوتے۔ کیونکہ مخالفین بے حد ترقی یافتہ ہیں اور ان کے پاس بیشمار زاد راہ موجود ہے مگر ہزار سالہ جدوجہد کے بعد بھی وہ ناکام کیوں ہیں؟ اور وہ سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین جیسے نچلے درجے کے علماء کو کیوں آزماتے پھرتے ہیں؟

6 قرآن صرف مسلمانوں کے لئے نہیں اترا بلکہ ہر اس انسان کا رہبر ہے جو جستجو رکھتا ہے، سوچتا ہے، فلاح حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اگر انسان کی نیت ہی بری ہو تو قرآن اس کی

کوئی مدد نہیں کرتا۔ یہ کوئی جادو کی کتاب تھوڑی ہے جو خود بخود اڑتی پھرے اور دنیا کی نگاہیں خیرہ کرتی پھرے۔

7 قرآن پالیسی گائیڈ لائنز مہیا کرتا ہے جزویات کی تشریح اہل علم و ایمان پر چھوڑتا ہے اس لئے جب تک قرآن کی منشا کے مطابق انسان صالح معاشرہ بنانے کا عمل شروع نہیں کرتا یہ کتاب خاموش رہتی ہے

8 ایک مثال پیش کرتے ہیں لیکن اسے شائد ڈاکٹر، غذائی ماہرین، یا کیمیادان ہی مکمل طور پر سمجھ پائیں۔ زیتون کا کچا تیل ہمارے دل کی شریانوں میں جمی نقصان دہ چکنائیوں کو صاف کر کے ہارٹ اٹیک کے خطرات کم کرتا ہے۔ اگر کسی کی بہتری کی خاطر اسے یہ تیل پیش کیا جائے لیکن وہ زیتون کے بارے متعصب ہو اور ضد کرے کہ اس میں جگر یا کسی اور عضو کی صحت کا فائدہ کیوں نہیں لہٰذا میں اسے نہیں مانتا۔ تو کیا معالج اس کی منطق کو اس کی حماقت اور علم کی کمی نہ سمجھے گا؟ کیونکہ اس کے اعتراضات تو تبھی دور ہونگے جب وہ اسے استعمال کرے گا۔ اور یہ فائدے کی حکمت تو معالج جانتا ہے مریض بیچارے کو کیا علم؟

9 اگر قرآن محض محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عربوں کے علم کے مطابق لکھا ہوتا یعنی موصوف کی تحریر کے مطابق اللہ نے نہ بھیجا ہوتا تو پھر یہ کتاب عرب سے باہر نکل کر تمام کرہ ارض میں کیوں مانی جاتی؟ یقیناً صرف اس لئے کہ یہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔

10 جب قرآن صالح قیادت اور غیر سودی معیشت کی پالیسی دے دیتا ہے تو پھر کیا ساتھ یہ بھی لکھ دیتا کہ 2008ء میں پاکستان میں زرداری کو حکومت دینی ہے یا نہیں دینی ہے یا

پھر مالتھس اور کارل مارکس میں کسی ایک کا انتخاب کر لیں؟ ہے ناں یہ بودا اعتراض کہ موصوف پوچھتے ہیں کہ قرآن نظام سلطنت یا نظام معیشت کے سلسلے میں کیوں خاموش ہے۔

11 موصوف کی تحریر کے آخر میں درج آخری مطالبے سے ان کی ذہنی سطح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اصل بیر ان کو پیروں فقیروں اور ملاؤں سے ہے جس سے گھوم پھر کر ان کی تان قرآن کے مفسرین پر ٹوٹی ہے۔ ہمیں خود بھی ان کے اس استدلال سے اتفاق ہے کیونکہ ہمارے مفسرین کرام نے ایک ایسی شریعت ہمیں بنا کر دکھائی ہے جو کم سے کم قرآن نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس سقم میں بھی مسلمان کا عربی زبان سے نابلد ہونے کا قصور ہے نا کہ قرآن کا کوئی اپنا۔

12 قرآن اور سائنس دونوں برحق ہیں اور ان کا تقابل انسانی زندگی کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ فرق ہے تو بس یہ کہ قرآن کی ساری درست باتیں اللہ کر رہا ہے مگر سائنس کی تمام درست باتیں انسان کر رہے ہیں۔ اللہ کی باتیں مکمل ہو چکیں جب کہ انسان علمی لحاظ سے ابھی بھی ارتقاء پذیر ہے اور نہ جانے کب اس قابل ہو گا کہ قرآن کے تمام اشارے سمجھ سکے۔ ایک اعلیٰ سائنسدان سے زیادہ کوئی بھی قرآنی بصیرت کا روادار نہیں اور ہمیں تو لگتا ہے کہ اصل مسلمان ہی سائنسدان ہوتے ہیں بس ذرا علمی ارتقاء میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور سائنس کا ارتقاء مکمل ہی تب ہونا ہے جب وہ پورا قرآن مان جائیں گے۔

13 ہم نے کئی ذرائع سے تصدیق کی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے آج تک جس سیاسی رہنماء نے بھی اپنی قوم کو ترقی دی ہے اس کے پاس قرآن کریم کا اس کی اپنی زبان میں

ترجمہ (تفسیر نہیں) موجود تھا۔ مثلاً بھٹو نے دورہ چین کے بعد بتایا کہ ماؤزے تنگ نے اسے قرآن کا چینی ترجمہ دکھایا، مسولینی کے پاس اطالوی ترجمہ، چرچل کے پاس انگریزی بلکہ گاندھی کے پاس ہندی ترجمہ موجود تھا۔ اور یہودیوں نے تو مسلمان کو شکست دینے کے لئے عبرانی تراجم کرا رکھے ہیں۔ غیر مسلم رہنماؤں نے قرآن سے دو کام لئے اول مسلمان کو شکست کیسے دینی ہے اور دوم اپنی ملت کی تعمیر کیسے کرنی ہے؟ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اعلی درجے کے باشعور رہنماء قرآن کو سچا ہدائت نامہ سمجھ کر اس سے رہنمائی لیتے ہیں لیکن ہم اپنے مالی وخیالی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اسی کتاب میں نقائص تلاش کرتے ہیں۔ کوئی بھی مسلم غیر مسلم اس کتاب پر ایمان لائے یا نہ بھی لائے مگر صرف نیت کا صاف ہو تو اس کتاب میں پھر بھی اس کی رہنمائی کی طاقت موجود ہے۔

ہارون ملک رائٹر زکیفے

پُوری تحریر میں سوائے عقیدت کے اور کیا ہے؟

چھوڑیں یار اِن بحثوں میں کیا رکھا ہے۔ جو جیسا سمجھتا ہے سمجھنے دیں اپنا کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

ہارون بھائی آپکی بات مانے لیتے ہیں ویسے عقیدت یا عدم عقیدت حیوان ناطق یعنی انسان کا ہی خاصہ ہے وگرنہ حیوان تو اس جذبے سے عاری ہوتے ہیں۔

زبیر حسین

.اپنے قلمی دوست کی تحریر بھی یہاں پوسٹ کر دیں تا کہ ہم دونوں تحریروں کا موازنہ کر سکیں
کیا آپ نے "سلام" نام کی کتاب پڑھی ہے؟
اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کو کائنات کی اصل خدا نے اس پر وحی کیا ہے. اس کتاب میں لکھا ہے کہ خدا جسمانی یا بدنی عبادت کا محتاج نہیں. جو لوگ خدا کی جسمانی عبادت کرتے ہیں وہ اصل میں شیطان کی پوجا کرتے ہیں. ان کے کرتوت یا اعمال بھی شیطانوں جیسے ہیں۔

عباس چانڈیہ

زیادہ کچھ نہیں بس ایک نقطے پر عرض کروں گا۔
اگر ساری دنیا کی یونورسٹیاں مل کر ایک آیت تخلیق کر لیں تو کیا اس اقدام پر جنگ نہیں چھڑ جائے گی۔؟ یا گستاخی تسلیم کرتے ہوئے مسلمانان عالم اس کے خلاف پر زور مظاہرے اور احتجاج نہیں کریں گے۔؟

ڈاکٹر سلطان محمود

شہزاد بھنڈاری

تنویر عباس چانڈیہ

عمریں بیتیں صدیاں گزریں
ہے وہی اب تک عقل کا بچپن

ساری دنیا کی یونیورسٹیاں ماہرین لسانیات جتنی مرضی کوشش کر لیں ہمیشہ کی طرح ناکام ہی ہونگے مسلمان کیوں مظاہرے اور احتجاج کریں گے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

تنویر عباس چانڈیہ اگر قرآنی آیات جلائے جانے پر مظاہرے ہوسکتے ہیں تو اس معاملے پر بھی ہو لینے دیں۔ آخر کار اچھائی برائی کی قوتوں نے کہیں نہ کہیں تو اجتماعی طور پر ٹکرانا ہی ہے ناں۔

زبیر حسین

آپ ایک آیت کی بات کرتے ہیں لوگ سورہ بلکہ پوری کتاب لکھ چکے ہیں. سلام نام کی کتاب کا مطالعہ کرلیں .

ڈاکٹر سلطان محمود

یہ آپ جس کتاب کا ذکر کر رہے ہیں یہ کس نے کب لکھی۔ ذرا مصنف کا تعارف تو کرا دیں شائد یہ کتاب قابل مطالعہ ہی نکل آئے۔

اے شاہ بنگش

اوہ بھائی وہی ملائیت زدہ سوچ تحریر کیا ھے۔ بس نری کاپی پیسٹ۔ ہم سمجھے "شائد" کوئی کام کی بات نکل آئے لیکن۔۔۔

مجھے شک تھا اور عزت مآب ڈاکٹر سلطان محمود نے تصدیق کر دی کہ ان کی یہ تحریر میری پوسٹ " قرآن کیوں خاموش ہے؟" کا جواب ہے. کیا عزت مآب یہ بتانا پسند کریں گے کہ جوابی پوسٹ میں میرے بارے میں اتنے جھوٹ بولنے کی کیا ضرروت تھی؟ کیا جھوٹ بولے بغیر آپ اپنا موقف پیش نہیں کر سکتے تھے؟ موصوف لکھتے ہیں، "ایک قلمی دوست نے قرآن میں کوئی ڈیڑھ درجن نقص نکال کر ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود لکھی۔" میری تحریر اپنی پوسٹ کے اوپر لگا کر اس الزام کو ثابت کریں۔ آپ کب میرے قلمی دوست بنے؟ آپ تو میری فرینڈ لسٹ میں نہیں ہیں۔

زبیر حسین

جی درست ہم فیس بک پر نہیں لیکن ہم آپ کو دوست اس گروپ کے حوالے سے سمجھتے ہیں۔ اگر جناب عالی کو گوارا نہیں دوست کہلوانا تو ہم آئندہ ایسا لکھنے سے باز رہیں گے۔

دوم حضور جب کسی کی وال سے کچھ شئیر ہوتا ہے تو عموماً یہی تاثر ابھرتا ہے کہ موصوف ان خیالات سے متفق ہی تھے تو اپنے ہاں پناہ بھی دی اور آگے بڑھانے کا رستہ بھی دیا بھی دیا۔

آپ اپنی اشتراک شدہ پوسٹ دوبارہ پڑھ کر غیر جانبداری سے سوچیں کہ آپ کی پوسٹ سے یہی نتیجہ نہیں نکلتا؟ اگر نہیں تو میں غیر مشروط معافی چاہتا ہوں۔

مزید بر آں حضور کے کچھ بھی عقائد ہوں ہمیں اعتراض ہر گز نہیں۔ ہم نے بقول ہارون ملک اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے جس پر آپ کو بھی پورا پورا حق ہے منظور یا مسترد کرنے کا۔

سلامت رہیں اور ہو سکے تو سلام نامی کتاب ضرور شئیر کریں۔

آپ نے جھوٹ بولنا اور جھوٹے الزام لگانا کہاں سے سیکھا؟ میں برسوں اہل قرآن میں شامل رہا ہوں اور اس دور میں میں نے قرآن کا نہ صرف لفظ بالفظ مطالعہ کیا بلکہ اس پر غور و فکر بھی کیا. ڈاکٹر شبیر احمد ان دنوں قرآن کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے. انہیں مشورے دیے اور ان کے ترجمہ قرآن کے لئے نام بھی تجویز کیا. ان سے تصدیق کر لیں۔ آخری بات یہ کہ قرآن ہو یا بائبل یا کوئی اور کتاب میں ان کی اچھی یا اخلاقی تعلیمات پڑھتا ہی نہیں ان پر عمل بھی کرتا ہوں۔

زبیر حسین

تو آپ ماشاءاللہ با عمل اہل قرآن بھی ہیں تو قرآن پر اٹھائے گئے اعتراضات حضور کو کیسے ہضم ہوئے؟

اے شاہ بنگش

کاپی پیسٹ کا پڑھ کر حقیقتا "ہنسی چھوٹی کہ اب ایسے طفل بھی منہ لگیں گے کہ جنہیں اسالیب تحریر کی پہچان ہی نہیں۔

شہزاد بھنڈاری

مفسرین نے ہمیشہ حق ادا کیا ہے

انہوں نے وہی شریعت دکھائی ہے جو قرآن دکھائی۔

ڈاکٹر سلطان محمود

میرے عزیز پھر قرآن کے تراجم اور تفسیرات کی بنیاد پر فرقے کیسے وجود میں آ گئے؟ جو تفاسیر میں پڑھ نہیں پایا ان کا تو حوالہ دے نہیں سکتا لیکن تفہیم القرآن (مولانا مودودیؒ)، مفہوم القرآن (علامہ غلام احمد پرویزؒ) اور تدبر القرآن (مولانا امین احسن اصلاحیؒ) پر میں نے فرقے بنے دیکھے ہیں۔ اور چند پر تشدد واقعات کا گواہ بھی ہوں۔ صرف ایک مثال دوں گا کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب آج بھی جان بچا کر پردیس میں کیوں بیٹھے ہیں؟

سنی خان

یہ بحث پہلے تو چھڑنی ہی نہیں چاہیئے تھی پھر اگر چھڑ ہی گئی تھی تو جن صاحب نے یہ پوسٹ لگائی تھی انکو نیچے کمنٹس میں دلائل کا جواب بھی دینا چاہیئے تھا۔

یہ احساس معاملہ ہے لیکن ہم ہر مسئلے میں کود جاتے ہیں۔ اگر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جائے تو کوئی بات بنے۔

سنی خان

عزیزم میری تو پوسٹ ہی محترم زبیر حسین صاحب کے قرآن پر اعتراضات پر دلائل سے بھرپور ہے۔ دوبارہ دیکھیں۔

سنی خان

سر میں بھی انہی کا کہہ رہا ہوں کے انکی پوسٹ پر دلائل والے کمنٹ بھی تھے موصوف وہاں خاموش تھے وجہ ؟؟

جواد شیرازی

حضور۔ اگر برا نہ منائیں تو جسارت کروں کہ اتنے بڑے سوالوں کے جواب کلی طور پر عقلی ہونے چاہئیے۔ یہ ٹھٹھا، استہزا، غلو کہیں اور چل جائے گا رائٹرز کیفے میں ذرا مشکل ہے۔ میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور قران حکیم کے ایک ایک لفظ پر مکمل ایمان رکھتا ہوں مگر اس کی حقانیت کیلئیے مجھے یہ غیر حقیقی باتیں کہ مسولینی، چرچل وغیرہ اس سے راہنمائی حاصل کر کے دنیا پر چھا گئیے، مناسب نہیں لگتی۔ علمی سوال ہیں، ان کے جواب بھی عقلی ہونے چاہئیے نہ کہ جذباتی۔ ویسے میں نے وہ اعتراضات والی پوسٹ پڑھی نہیں، اگر لنک مل جائے تو شائد روے زمین پر مذہب کے سب سے بڑے سکالر، گمنامی پسند، پروفیسر احمد رفیق اختر، سے راہنمائی حاصل کر کے کوئی جواب دے پاتا۔

جواد شیرازی

بھائی جان جو حوالے تاریخ میں درج ہیں بھلے سے جھوٹے ہی ہوں مگر پیش تو کئے جاسکتے ہیں۔ ویسے بائی دی وے، آپ کیفے کے ایڈمن ہیں؟

ذہن میں رکھیں کہ پروفیسر احمد رفیق اختر ان معاملات میں مجھ سے زیادہ جذباتی ہیں۔

شفیق خان بلوچ

جواد شیرازی

بے شک پروفیسر احمد رفیق اختر آؤٹ آف دا باکس بات کرتے ہیں کہ بندہ ششدر رہ جاتا ہے

شفیق خان بلوچ

میں کم و بیش بیس برس سے پروفیسر کے تقریباً ساتھ ساتھ ہی ہوں مگر معذرت سے وہ مجھے اس طرح متاثر نہیں کر پائے جیسے عصر حاضر کے غامدی صاحب کر پائے۔ لیکن اس ذاتی محسوسات سے ہٹ کر وہ ایک بہترین سکالر ہیں اگر تعویز گنڈہ چھوڑ دیں تو۔

شفیق

What is novelty in Quran ?

آپ کوئی ایک ایسی خاص چیز بیان کریں جو سب سے پہلے قرآن نے کہی ہو۔ اور ضروری ہے کہ اس سے پہلے موجود انسانوں کے لئے وہ بات نئی ہو۔

کوئی ایک بتائیں تاکہ میں مزید سیکھ سکوں۔

فقط ایک طالبعلم قرآن

ڈاکٹر سلطان محمود

شفیق خان بلوچ

اس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ قرآن رب تعالیٰ کا انسان کے نام خطاب ہے جو حضرت آدم کے وقتوں سے گاہے بگاہے مختلف کتب اور صحیفوں کی شکل میں آتا رہا ہے۔ قرآن میں وہی ساری خدائی باتیں زیادہ وضاحت سے مکمل کی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ پوچھنا کہ سب سے پہلے قرآن میں آئی ہو کا تو صاف مطلب اس حکمت والی کتاب پر شک کا اظہار ہے۔

نگہت خان جتوئی

قرآن کے حوالے سے بہت سے نقاط اچھے ہیں اور بہت سے مزید اچھے ہو سکتے ہیں

جزاک اللہ

زبیر حسین

حیرت ہے کہ قرآن کی عالمہ ہو کر آپ جھوٹ کی حمایت کر رہی ہیں۔ آپ نے میری پوسٹ پڑھی ہے. اس تحریر کے لکھنے والے نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے۔ "ایک قلمی دوست نے قرآن میں کوئی ڈیڑھ درجن نقص نکال کر ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود لکھی." اس پوسٹ میں اور بھی بہت سارے جھوٹ ہیں. کیا قرآن ہمیں جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے کی تعلیم دیتا ہے؟

نگہت برائے زبیر حسین

آپ کی پوسٹ پر میں نے جواب دیا تھا

یہ بات میں نے قرآن کے پوائنٹس کے حوالے سے لکھی ہے

نہ کہ آپ کی ذات کے حوالے سے

آپ میرے لئے قابل احترام ہیں۔

میں کبھی کسی کی ذات پر بات نہیں کرتی نہ ہی طنز کرتی ہوں۔

باقی آپ کی پوسٹ میں یہ بات تو کہیں نہیں کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود لکھی ہے

۔

خورشید برائے ہارون ملک

اگر کسی تحریر کے مدمقابل اسکے متن کے بر خلاف تحریر معہ دلائل کے جو ذہنی شعور سے قریب ہو اسے آپ عقیدت کا نام دیکر اس نوعیت کو چھپا نہیں سکتے جس تحریر کے بارے میں یہ پوسٹ ہے۔ جس انسان میں کسی بھی قسم کا "عقیدہ" نا ہو تو پھر ایک ذہنی سطح کا انسان ہوتا ہے جسے بھرپور نفسیاتی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک تحریر جو "زبیر حسین" صاحب نے لکھی وہ بھی ایک عقیدے کو مانتے ہوئے لکھ رہے ہیں، ایک یہ صاحب تحریر ڈاکٹر سلطان محمود صاحب کی ان کا بھی ایک عقیدہ ہے اسی پر تحریر ہے، ایک اور ملک صاحب، آپ کا بھی یقیناً ایک کوئی نا کوئی عقیدہ ہے جسکی وجہ سے آپ کو دوسروں کے عقیدے کے بر خلاف لکھتے ہیں تو سب کا اپنا اپنا عقیدہ ہے اور اسی کی عقیدت مندی پر سب اپنے اپنے دلائل دیتے ہیں۔

اور ویسے بھی رائٹرز کیفے کا معیار تو کچھ اور تھا اب یہاں پر وہ مقصد تو ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ دین پر، فرقوں پر، سیاست پر تو گفتگو نا کرنے کی تلقین تھی اور ہمیشہ ان مباحثہ کو ختم کرنے کی کوششیں کی جاتی تھیں مگر اس پوسٹ نے پھر زخموں کو کریدنا شروع کیا۔

جب آپ کو برداشت نہیں ہوتا کہ قرآن کب کیلئے اور کس کے لئے اس پر تحریر کرنا اور اسے ماننا پسند ہو تو مطلب در پردہ اسی کام کیلئے گروپ کام کرتا ہے؟

میری تو چھوٹی سی سمجھ میں یہی بات آئی ہے۔ سب اپنے آپ کو پہلے سے ہی بتادیں کون کس کی عقیدت میں باتیں کرتا ہے، آیا اللہ ربّ العزت کی عقیدت یا پھر وہی ابلیسی شیاطین کی عقیدت۔ پھر جا بجا کہیں پر بھی بات بآسانی اور کھل کر ہو سکتی ہے جب ذہنی سطح کا پتا ہو۔

ورنہ گروپ کو اسی معیار پر لیکر آئیں جو تین مہینے پہلے تک تھا جب میں نے جوائن کیا تھا شجاع صاحب کی بدولت۔ جو چیز زبیر صاحب نے شروع کی ہے اس پر ایک دلائل کے ساتھ عہد حاضر کو رکھتے ہوئے انکا جواباً پوسٹ کروں گا وہ کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ جو کمینٹس دیکھ رہا ہوں اس سے اندازہ ہو چلا ہے کہ عقیدت اصل میں کیا ہے۔ کچھ جوابات لکھ کر خود ہی گروپ سے نکل جاؤں گا کیونکہ اغراض و مقاصد اگر کچھ اور ہوں تو وہاں رہا نہیں جا سکتا۔

روائتی جنگ کا میدان کسی زمانے میں فوج سرحدیں ہی ہوا کرتی تھیں لیکن موجودہ زمانے میں ہم نے ففتھ جنریشن وار فیئر کو جنم دے دیا ہے جس میں پورا ملک اور پوری عوام پر نشانے باندھے جاتے ہیں۔ اس جنگ کا وہ لوگ ہدف ہی نہیں ہوتے جو مر جاتے ہیں بلکہ وہ کروڑوں افراد ہوتے ہیں جو بچ جاتے ہیں۔ یہ جنگ خانی جنگی بھی کروا سکتی ہے جس کا لازمی نتیجہ معاشی تباہی ہوتا ہے۔ قوم پرست اور علحدگی پسند تنظیمیں زور پکڑتی ہیں اور یہیں سے دشمن کو افرادی قوت میسر آتی ہے۔ ففتھ جنریشن وار میں بنیادی تصورات کو ٹارگٹ کر کے عقائد کی چولیں ہلائی جاتی ہیں اور مقدس کتب و آئین کے بارے شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے ہیں جس سے انارکی اور افراتفری جنم لیتی ہے اور عوام میں بے بنیاد اور غیر ضروری تشویش، نفرت، مایوسی اور خوف پھیلا کر رائے عامہ بدلنے والے افراد اور گروہوں کو ڈھونڈ کر میڈیا اور جدید ٹیکنالوجی کے سہارے ملک، قوم، فوج، ادارے، مذاہب اور ان تمام باہمی اتحاد کی بنیادیں توڑی جاتی ہیں کہ جن کو روایتی ہتھیاروں سے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔

کالم 458 از ڈاکٹر سلطان محمود

انگریزی دوائی ہم اسے کہتے ہیں جو کسی جڑی بوٹی، ادویاتی خواص والے درخت نیز معدنیات وغیرہ اثر انگیز اخذ شدہ نمک کی مصنوعی کاپی ہوتی ہے۔ ادویات میں active agent یعنی انتہائی کے اس کی قلیل ترین مقدار میں فلنگ ڈال کر اسے سیرپ، گولی، کیپسول یا ٹیکے کی شکل دی جاتی ہے۔ یہ مصنوعی طور پر تیار شدہ کیمیکل دوائی کی شکل میں جب جسم میں جاتا ہے تو جسم اسے اصل کیمیکل کے دھوکے میں قبول کرتا ہے مگر جگر میں اس کے استحالے یا میٹابولزم کے ساتھ ہی اسے اس دھوکے کا احساس ہو جاتا ہے جس سے دو عوامل جنم لیتے ہیں پہلا یہ کہ جسم اسے بیرونی حملہ آور سمجھ کر مدافعاتی سسٹم بیدار کر دیتا ہے جو اس کیمیکل کے خلاف لڑتا ہے اور اسے جلد سے جلد جسم سے باہر نکالنے کے چکر میں جگر کو دباؤ میں کے آتا ہے تو بار بار ایسا ہونے سے یا تو جگر سوجنا شروع ہو جاتا ہے جسے ہم ہیپاٹائٹس کہہ سکتے ہیں یا پھر اگلی بار دوائی کے آتے ہی جسم اسے قبول کرنے میں مزاحمت کرتا ہے لہٰذا لمبے وقت کے لئے دعا استعمال کرنے سے اسکی مقدار یا طاقت یعنی پوٹینسی بڑھانی پڑتی ہے۔ دوسرا عمل یہ ہوتا ہے کہ اس سارے عمل سے قبل جو دوا خون میں چلی جائے وہی فوری طور پر بیماری کے خلاف کام کر جاتی ہے جس سے مریض کو فوری افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں جگر اس انگریزی دوا کا محض دس سے تیس فیصد حصہ ہی میٹابولائز کر پاتا اور باقی کا جسم سے خارج کرا دیتا ہے مگر بار بار ایسی ادویات کے استعمال سے کچھ قلیل سا کیمیکل جسم میں ٹھہر جاتا ہے جو بعد میں نئی بیماریوں کو جنم دے سکتا ہے۔ بس ایلوپیتھی سے متعلق مختصراً عرض یہ ہے کہ اس کی ہر دوا کے ضمنی اثرات ہوتے ہیں جو کہ لمبی اور مہنگی تحقیق کے بعد ادویات پر ہی درج کر دی جاتی ہیں اس لیے ڈاکٹر کی ہدایات انتہائی لازم ہیں۔ دوسری عرض یہ ہے کہ دور حاضر میں یہ ایک

نعمت بھی ہے کیونکہ امیر ممالک اس پر اربوں ڈالر لگا کر جو معلومات ہمیں دیتے ہیں اس کا کوئی نعم البدل کوئی نہیں نیز آج جو انسان کی اوسط عمر بڑھتی چلی جارہی ہے اس کی بھی بنیادی وجہ انگریزی ادویات ہی ہیں۔ ہاں اگر فارماانڈسٹری اس علم کے استعمال سے بڑھا چڑھا کر منافع سمیٹتی ہے تو اسے روکنا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔

اب آجاتے ہیں دیسی ادویات پر۔ ان کا ماخذ بھی وہی ادویاتی ہو دہ جات ہیں مگر اس میں کچھ اچھائیاں اور کچھ برائیاں ہیں۔ دونوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان ادویات میں انتہائی عرقیاتی حالت والا نمک نہیں کیا جاتا بلکہ کوشش کی جاتی ہے کہ پورا پورا یا اسکے سالم پتے، جڑیا تنے وغیرہ سے دوا بنائی جائے۔ یہ نسبتاً محفوظ طریق علاج ہے مگر ضمنی اثرات سے بالکل پاک یہ بھی نہیں۔

جرار جعفری

بہت اچھا کرتے ہیں اب ایک مہربانی کریں اور اس ادراک کو یہاں شئیر کرنے سے گریز کریں

ڈاکٹر سلطان محمود

جی ناممکن۔ جب سوال ڈالا گیا ہے اور میں متعلقہ شخص بھی ہوں تو کیوں نہ اپنے تجربات سے دوستوں کو آگاہ کروں؟ میرا کالم مکمل ہونے کو ہے۔

جرار جعفری

اس لئے کہ اس گروپ میں سائنس پر جو بات ہے اگر آپ کا کالم مصدقہ سائنس پر ہے تو ست بسم اللہ۔

عبید اللہ عبید

دیسی دوائیوں اور انگریزی یا ایلوپیتھک ادویات میں فرق:

ہمیں دیسی ادویات کے اجزاء اور اُن کی مقدار کا علم نہیں ہوتا جبکہ دوسری جانب ملی گرام کے سویں حصے تک اسکے اجزاء کا علم ہوتا ہے۔ دیسی ادویات کے ہر جزو کے مختلف اثرات پر کوئی ریسرچ نہیں ہوئی ہوتی اور نہ مختلف عمروں، جنس، حمل کے دوران، دوسری بیماریوں کی موجودگی اور دوسری ادویات کے ساتھ کسی قسم کے اثر بارے علم نہیں ہوتا۔ جبکہ ایلوپیتھک ادویات کے ہر پیک میں سائیڈ ایفیکٹس، خطرات، ممانعات کا ایک طویل پمفلٹ شامل ہوتا ہے۔

دیسی ادویات محض تیر تکّے پر تجویز کئے جاتے ہیں اور ہر حکیم دوسرے حکیم سے مختلف تشخیص اور ادویات تجویز کرتا ہے۔ کوئی بھی حکیم اپنے نسخے کی تفصیل کا کسی کو بھنک بھی نہیں دیتا۔ جبکہ ایلوپیتھک ادویات کی تمام ضروریات یا علامات پوری دُنیا میں ایک جیسی ہوتی ہیں۔

دیسی ادویات کسی بیماری کا سبب جانے بغیر محض اندازے سے تجویز کی جاتی ہیں اور سقراط کے انہی اُصول (صفرا وغیرہ کی زیادتی، گرم خشک اور سرد تر) کے چکر میں ہیں جو موجودہ سائنس نے رد کر دیئے ہیں۔

دیسی ادویات براہ راست انسانوں پر آزمائی جاتی ہیں۔ جبکہ ایلوپیتھک ادویات کی سرٹیفیکیشن کا ایک باقاعدہ سسٹم ہے۔ سب سے پہلے اُس دوا کو ایک صحت مند جانور پر آزماتے ہیں۔ اگر اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو کئی صحت مند جانوروں پر آزماتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان کے ہونے والے بچوں پر تو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسکے بعد انہی جانوروں میں انسانی امراض سے ملتی جلتی بیماری پیدا کی جاتی ہے۔ آدھے جانوروں کو دوا دی جاتی ہے اور آدھے جانوروں کو ملتا جلتا پاوڈر۔ جو دوا دیتا ہے اُسے بھی نہیں معلوم کہ کس نمبر جانور کو دوا دی گئی ہے اور کس کو پاوڈر۔ جو نتائج اخذ کرتا ہے وہ بھی نہیں جانتا۔ پیچھے بیٹھے ہوئے سائنسدان پھر دوا اور پاوڈر والے جانوروں پر اثرات دیکھتے ہیں اور اُن پر شماریات کے فارمولے اپلائی کرتے ہیں کہ کیا یہ فرق محض اتفاق تو نہیں۔ جب بڑا فرق

ہو تو پھر صرف ایک رضاکار صحتمند انسان کو کافی معاوضہ ادا کرتے ہیں اور وہ دوا اُس پر ٹسٹ کرتے ہیں۔ اگر اُس پر کوئی بُرا اثر نہ ہو تو مزید صحت مندوں پر تجربہ کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد کہیں وہ مرحلہ آتا ہے جب بیماروں میں سے آدھوں کو پاوڈر اور آدھوں کو دوا دیتے ہیں۔ یوں ایک دوا کے بازار میں آنے تک دس دس سال لگ جاتے ہیں۔

"بیوی ایک ہی اچھی"

کالم 459 از ڈاکٹر سلطان محمود

جولائی 11ء2021

ایک دوست کا بیویوں کی تعداد کا حساب اور اس پر ہمارا تخمینہ

.....

دوست کا حساب

ایک بیوی کی زندگی میں جو کام کرنے کا عروج والا عرصہ ہوتا ہے وہ تقریباً چالیس سال کا ہوتا ہے یا اس سے کچھ زیادہ۔

ان چالیس سالوں میں ایک بیوی تقریباً

(1kg x 365 x 40)=14600

من آٹا گوندھتی ہے۔

اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روٹیاں پکاتی ہے۔

اور 200 من چاول پکاتی ہے۔

اور 300 من سبزی اور گوشت وغیرہ پکاتی ہے۔

اور تقریباً چالیس لاکھ اسکوائر فٹ پر جھاڑو پوچا کرتی ہے۔ تقریباً 40 ہزار جوڑے کپڑے دھوتی ہے اور استری کرتی ہے۔

اس کے علاوہ بچوں کے پیمپر بدلنا،

اسکول بیگ اور ٹفن تیار کرنا،

مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنا۔

اور بھی بہت سے چھوٹے موٹے کام ہوتے ہیں جو سر انجام دیتی ہے۔
اب اگر یہی کام دو بیویاں مل کر کریں تو کتنی آسانی ہو جائے
اور اگر چار بیویاں کریں تو سوچیں زندگی کتنی سہانی ہو جائے۔
جواب آں غزل
یہ دلچسپ حساب کتاب محض جنسی مزے کی خاطر کسی ناکارہ مرد کا لگایا ہوا لگتا ہے۔ شادی میں جنسی آسودگی کے علاوہ اگر معاشرتی فرائض کا بھی حساب لگائیں تو آئیں ہمارا حساب بھی ملاحظہ کریں۔
فرض کریں چاروں بیویاں ایک دوسرے سے پانچ پانچ سال چھوٹی ہیں تو چوتھی کی عمر 25 سال ہو گی۔ اگر خاوند پہلی بیوی سے دس سال بڑا ہو تو پچاس کا ہوا۔ اگر بیوی کی مثال کار سے دیں تو پھر خاوند کو چوتھی گاڑی کے لئے الگ سے ڈرائیور رکھنا پڑے گا۔
اگر شوقین خاوند کو سبھی بیویوں کا فی الزمانہ خرچہ اٹھانا پڑے تو اسے ماہانہ بیس لاکھ کمانا ہو گا۔ سبھی کا دو دو لاکھ اور اپنا بھی دو لاکھ الگ۔ گھروں نوکروں اور گاڑیوں سمیت جس خاوند کو ہر پانچ سال بعد ماڈل بدلنے کی عادت ہو گی اسے پچاس کی عمر میں اگلے جسم کی اشد ضرورت پڑے گی۔ اور اسے نکاح میں لانے کے لئے کسی ایک بیوی کو طلاق یا ہلاک کرنا پڑے گا۔ جس سے باقی بیویاں عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گی لہٰذا اس نکھٹو ڈرائیور کے اپنی ہی گاڑیوں کے نیچے آ کر مرنے کے چانس بے حد واضح ہو جائیں گے۔
چوتھی یا پانچویں شادی تک پہنچتے پہنچتے اس گامڑ انسان کی کوئی چھ بیٹیوں اور چار بیٹوں کے علاوہ لگ بھگ دو پوتے، تین نواسے اور چار نواسیاں بھی ہو چکی ہونگی۔ اگر وہ صرف بیویوں کی خوبصورتی پر نظر رکھنے کی بجائے بچوں کے اخلاق پر بھی توجہ کرے تو اسے پندرہ دن ماہانہ چاہئیں۔

علاوہ ازیں اسے اس ساری خلقت کے لئے کم سے کم پانچ گاڑیوں کی ضرورت ہو گی جن کی قیمت سوا کروڑ اور ڈرائیوروں، تیل اور سنبھال کا ماہانہ خرچہ الگ سے کوئی دو لاکھ برداشت کرنا ہو گا۔
نہ نہ کرتے اسے چار کوٹھیاں اور ان کی تزئین وغیرہ سمیت کوئی دس کروڑ روپیہ بھی چاہئیے۔
سبھی سسرالیوں کی غمی خوشی میں شمولیت کے لئے لگ بھگ دو لاکھ روپیہ ماہانہ اور پندرہ دن کا وقت بھی چاہئیے۔
اگر دیگر تفصیلات میں نہ بھی جائیں تو اسے ماہانہ بیس لاکھ کی آمدن چاہئیے مگر مہینے میں وہ وقت بالکل بھی نہیں نکال پائے گا لہٰذا دھیلہ کما بھی نہیں پائے گا۔

اگر آپ کی خواہش اور ہمارا حساب ٹھیک ہے تو پھر وہ شخص ہم آپ جیسا نہیں کم سے کم عمران خان، نواز شریف یا زرداری جیسا دولتمند اور مضبوط ہونا چاہئیے مگر ان تینوں کا طریقہ عقل پر مبنی ہے۔
یعنی ایک وقت میں ایک بیوی اور کئی ساری گرل فرینڈز۔ بلکہ بیوی نہ بھی ہو تو گرل فرینڈز ہی کافی ہیں۔
ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے۔ ان کا محتاط اندازے کے مطابق حساب یوں بنے گا۔
چار بیویوں کی بجائے دس لڑکیاں ملیں گی۔ سب پر مجموعی خرچہ پانچ لاکھ اٹھے گا۔ کسی گاڑی کی بھی نہ ضرورت اور نہ نوکر چاکر اور نہ بچوں کی کل کل۔
نہ ایک ہی گاڑی پر برسوں سواری اور نہ بیویوں کی آپس کی رنجشیں۔ نہ سسرال نہ ذمے داریاں اور نہ کسی اور لگڑ بگڑ کی فکر۔
اگر یہ فارمولہ ٹھیک ہے تو یہ کام ہم آپ بھی کر سکتے ہیں پھر ہمیں عمران نواز زرداری تو ایک طرف کسی عربی یا انگریز کی بھی نقل کی ضرورت نہیں۔

اگر بازار کی ساری گائیاں مر جائیں تو بندہ اپنی بھینس رکھتا اچھا لگتا ہے ورنہ آ بیل مجھے مار۔۔۔۔

اور اگر ساری باتیں ہی نا قابل قبول ہوں تو پھر بقول شاعر:

تجھ میں ہمت ہے تو زمانے سے بغاوت کر لے۔۔۔

ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لے۔۔۔

ہم بھی تو ہیں ایک بیوی کے ڈسے ہوئے

از ڈاکٹر سلطان محمود

ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل لڑکیات

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام

بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

(مصطفیٰ خان شیفتہ)

حسینوں سے بھلا نازک ادائی کا گلہ کیسا

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

(سرور عالم راز سرور)

دورِ محشر میرا نامہ اعمال نہ دیکھ

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

(ایم ڈی تاثیر)

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے
(مصطفیٰ زیدی)

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
(مرزا غالب)

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
(میانداد خان سیاح)

غم و غصہ، رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
(حیدر علی آتش)

وصالِ یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
(شاد لکھنوی)

آخر گِل اپنی صرفِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
(مرزا جواں بخت جہاں دار)

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
(مولانا الطاف حسین حالی)
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
(داغ دہلوی)
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے
(حیدر علی آتش)
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
امیر مینائی
غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا
(چراغ حسن حسرت)
جذبِ عشق سلامت ہے تو ان شاء اللہ
کچے دھاگے سے چلیں آئیں گے سرکار بندھے
(انشاء اللہ خان انشاء)
قریب ہے یار روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستین کا

(امیر مینائی)

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزاں دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(شیخ ابراھیم ذوق)

کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

(مرزا غالب)

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھ ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

(داغ دہلوی)

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

(فدوی لاہوری)

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

(میر طاہر علی رضوی)

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

(پنڈت دیال شنکر نسیم لکھنوی)

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شائد کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
(علامہ اقبال)
جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
(علامہ اقبال)

اب اداس پھرتے ہو، سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں
(شعیب بن عزیز)
جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے
(پروین شاکر)
برباد گلستاں کرنے کو، بس ایک ہی الو کافی تھا
ہر شاخ پہ الّو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہو گا
(شوق بہرائچی)
ادائے خاص سے غالبؔ ہوا نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیئے
(مرزا غالب)

"آؤ شعر مکمل کریں"

کالم 460 از ڈاکٹر سلطان محمود

جولائی 11ء2021

وہ اشعار جن کا دوسرا مصرعہ ضرب المثل کی حد تک مشہور ہوا جبکہ پہلا وقت کی دھول میں کہیں کھو گیا

تحقیق: طیب سلمان ناگی

"پر اسرار انسانی دماغ کی منطقیں اور اعتقادات "

کالم 461 از ڈاکٹر سلطان محمود

جولائی 22ء2021

برائے افضل ملک اور مہ جبین خان

انسانی دماغ شائد کائنات کی سب سے پر اسرار اور پیچیدہ اکائی ہے اور لاکھوں سالوں سے وجود میں آنے والے کل ستاسی لاکھ انواع میں سے صرف ایک نوع انسان ہے جو اسی طاقتور دماغ کے بل پر سبھی مخلوقات پر بھاری پڑ گیا ہے۔ ابھی تک انسانی دماغ کے بارہ فیصد عوامل ہی سائنسدانوں کی سمجھ میں آسکے ہیں جس کی بنیاد پر نیز چند دیگر مخلوقات کے عوامل کو ملا کر اب تک سائنسدانوں نے بیشمار ایجادات کر لی ہیں مثلاً آنکھ کو نقل کر کے کیمرہ بن گیا اور ٹانگوں کو نقل کرنے سے پہیے سے لے کر سائیکل، گاڑی اور جہاز تا راکٹ تک وجود میں آگئے ہیں۔ دماغ کی نقل میں کمپیوٹر بنانے سے آج سے پینتیس برس قبل ہمارے گورے پروفیسر نے ہم سے اختلاف کیا تھا لیکن تعلیمی اعزاز دیتے وقت اقرار کر گیا کہ یہ ڈاکٹر کافی حد تک ٹھیک کہہ رہا تھا۔

کیونکہ ہمارے لیکچر سے تین ہی برس بعد اسی کی دھائی کے اواخر میں کمپیوٹر تیسری جنریشن میں جونہی داخل ہوا تو ناسا نے سپر کمپیوٹر کی باتیں کرنی شروع کر دی تھیں اور ہماری یادداشت کے مطابق ابھی وہ انسانی دماغ کی آٹھ فیصد کاپی ہی بنا کر اسے چند ہزار گنا زیادہ طاقتور ہی بنا پایا تھا۔ آج سپر کمپیوٹر انسانی دماغ کی تیرہ فیصد نقل بنا کر محض چند کروڑ گنا ہی تیز چل پایا ہے لہٰذا گمان غالب ہے کہ اگلے سو پچاس برس میں انسانی دماغ کے بیس فیصد کی نقل کے ساتھ پانچ ارب گنا تیز کرنے والی مشین بنا ڈالے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب انسان بڑی حد تک موت کو قابو کر لے گا۔

ہمارا دماغ ہمارے سبھی طبعی و نفسیاتی عوامل کو چلانے کی اہلیت رکھتا ہے جن میں ابھی تک سائنس کی ابتدائی کامیابیوں کے مطابق ابھی ان گوشوں کو اجاگر نہیں کر پایا جن کے اندھیرے میں ہونے کے سبب مذہبی لوگ خدا کی کاروائی کا نام دیتے ہیں۔
ہے بلکہ انسان نے بھی ہزاروں سال پہلے اسی ضرورت کے تحت خدا کا وجود گھڑا۔ اپنے آپ کو نفسیاتی مسائل سے بچائے رکھنے کے لئے یہی بہترین علاج بھی تھا۔ یہ خدا کی دریافت یا ایجاد تھی کیونکہ اس دور قدیم میں انسان کی ہدایت کے لئے ابھی انبیاء لکھے لکھائے نسخے نہیں لے کر آئے تھے۔

کائنات میں تب ایسے بڑے بڑے اور طاقتور واقعات جنم لیتے تھے کہ انسان پس کے رہ جاتا تھا لہٰذا اس نے اپنی محدود عقل کے تحت ایک ایسی بے حد طاقتور ہستی کا تصور پال لیا جو کچھ بھی کر سکتی تھی اور اس کا نام اللہ، ایشور، گاڈ یا قدرت رکھ لیا اور عظیم حادثات میں اپنی ہلاکت خیزی سے ڈر کر ایک ان دیکھی ہستی سے ڈرنا شروع کر دیا۔ پھر انسان نے اپنا ڈر کم کرنے کے لئے اس طاقتور ہستی کو خوش کرنے کا سوچا تاکہ شائد وہ خوشامد سے راضی رہ کر اسے نقصان نہ پہنچائے۔ مثلاً اس کے تصوراتی ڈھانچے کے سامنے برے شخص کی قربانی پیش کر کے خون چھڑکنا شروع کر دیا۔ پھر جب عقل نے کام کرنا شروع کیا تو جانور کا خون چھڑکنا شروع کیا جو اب دور جدید میں بھی قربانی کی رسم کی شکل میں موجود ہے۔ دوسرا کام اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ کیا کہ سورج چاند وغیرہ کو بھی خدا سمجھ کر ان کے آگے جھکنا شروع کر دیا۔ اس سے عبادات کا تصور اجاگر ہوا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

اس طرح مذاہب ایجاد ہوتے چلے گئے اور ہر سمجھ میں نہ آنے والی چیز یا واقعے پر غور وخوض کی بجائے اسے خدا کا کام کہا جانے لگا۔ اور جہاں تک بات سمجھ آجاتی اسے سائنس اور نہ سمجھ آنے والے حقائق کو خدا کہہ کر کسی نادیدہ ہستی کے سپرد کیا جانے لگا۔ اس موقعے کی وضاحت کے لئے ایک دعائے سکون بھی ایجاد کی گئی جسے اگر آج اپنی زبان میں بیان کریں تو کچھ یوں ہو گی:

اے خدا مجھے سکون دے۔ میں اپنا گزرا ہوا کل بدل نہیں سکتا اور نہ مجھے آنے والے کل پر اختیار ہے۔ اس لئے میرا آج ٹھیک کر دے جسے میں تمہارے اوپر چھوڑتا ہوں۔ اور اے خدا مجھے اچھے ساتھی دے تاکہ میں اپنا آج سکون سے گزار سکوں جو کہ آنے والے دنوں کی کنجی ہے۔

پھر وقت گزرتا گیا۔ انسانی دماغ کی طاقت سے چھپے راز آشکارہ ہوتے چلے گئے۔ دماغ نے دل کے خدشات اور خوف دور کرنے شروع کر دیئے جو در حقیقت دماغ ہی کے مختلف حصوں کا کام تھا مگر دھڑکتے دل سے سپلائی ہونے والے خون کی طاقت سے چلنے والے دماغی کام کو دل یا نفس کے نام سے تعبیر کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کرتے انسان نے ہر ڈر اور واقعے کی منطق پیش کرنا شروع کر دی۔ انہی منطقوں سے سائنس نے جنم لیا اور انسان اپنے ہی ایجاد کردہ خوف کے اندھیروں سے آہستہ آہستہ نکلنا شروع ہو گیا۔ اس طرح انسانوں میں تین گروہ بن گئے۔ دماغ کا منطق والا حصہ زیادہ استعمال کرنے والے، اندھیروں کے خوف کے باسی اور بیچ منجدھار والے۔ پہلے گروہ نے اپنا نام سائنس رکھا، دوسرے نے مذہب اور تیسرے ٹھہرے الجھنوں کے باسی۔

"بھٹو کی نیشنلائزیشن پالیسی"

کالم 462 از ڈاکٹر سلطان محمود

جولائی 23ء2021

Destruction of a man called Bhutto !! Single handedly destroyed Pakistan, and that evil is still alive.

منقول از وسیم شیخ

ساٹھ کی دہائی تک پاکستان میں انڈسٹری فروغ پا رہی تھی۔ اصفہانی، آدم جی، سہگل، جعفر برادرز، رنگون والا، افریقہ والا برادرز جیسے ناموں نے پاکستان کو انڈسٹریلائزیشن کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ دنیا پاکستان کو انڈسٹریل پیراڈائز کہا کرتی تھی۔ ماہرین کا کہنا تھا ترقی کی رفتار یہی رہی تو پاکستان ایشیاء کا ٹائیگر بن جائے گا۔

یہاں فیکٹریاں، ملیں اور کارخانے لگ رہے تھے۔ بجائے ان کاروباری خاندانوں کے مشکور ہونے کے کہ وہ معاشی سرگرمی کو زندہ رکھے ہوئے تھے، ہمارے ہاں سرمایہ دار کو ہمیشہ دشمن سمجھا گیا' رہی سہی کسر بھٹو کے سوشلزم کے خواب نے پوری کر دی۔ ہمارے ہاں نظمیں پڑھی جانے لگیں" چھینو مل لٹیروں سے"۔ چنانچہ ایک دن بھٹو صاحب نے نیشنلائزیشن کے ذریعے یہ سب کچھ چھین لیا۔ لوگ رات کو سوئے تو بڑے وسیع کاروبار کے مالک تھے صبح جاگے تو سب کچھ ان سے چھینا جا چکا تھا۔

بھٹو نے 31 صنعتی یونٹ، 13 بنک، 14 انشورنش کمپنیاں، 10 شپنگ کمپنیاں اور 2 پٹرولیم کمپنیوں سمیت بہت کچھ نیشنلائز کر لیا۔ سٹیل کارپوریشن آف پاکستان، کراچی الیکٹرک، گندھارا انڈسٹریز، نیشنل ریفائنریز، پاکستان فرٹیلائزرز، انڈس کیمیکلز اینڈ انڈسٹریز، اتفاق فاؤنڈری، پاکستان سٹیلز، حبیب بنک، یونائیٹڈ بنک، مسلم کمرشل بنک، پاکستان بنک، بنک آف بہاولپور، لاہور کمرشل بنک، کامرس بنک، آدم جی انشورنس، حبیب انشورنس، نیو جوبلی، پاکستان شپنگ، گلف سٹیل شپنگ، سنٹرل آئرن اینڈ سٹیل سمیت کتنے ہی اداروں کو ایک حکم کے ذریعے ان کے جائز مالکان سے چھین لیا گیا۔

مزدوروں اور ورکرز کو خوش کرنے کے لیے سوشلزم کے نام پر یہ واردات اس بے ہودہ طریقے سے کی گئی۔ شروع میں کہا گیا حکومت ان صنعتوں کا صرف انتظام سنبھال رہی ہے، جب کہ ملکیت اصل مالکان ہی کی رہے گی۔ پھر کہا گیا ان ان صنعتوں کی مالک بھی حکومت ہو گی۔ پہلے کہا گیا کسی کو کوئی زر تلافی نہیں ملے گا۔ پھر کہا گیا دیا جائے گا۔ کبھی کہا گیا مارکیٹ ریٹ پر دیا جائے گا پھر کہا گیا ریٹ کا تعین حکومت کرے گی۔ یوں سمجھیے ایک تماشا لگا دیا گیا۔ مزدور اور مالکان کے درمیان معاملات خراب تھے یا دولت کا ارتکاز ہو رہا تھا تو اس معاملے کو اچھے طریقے سے بیٹھ کر حل کیا جا سکتا تھا۔ مزدوروں کی فلاح کے لیے کچھ قوانین بنائے جا سکتے تھے لیکن بھٹو کا مسئلہ اور تھا۔ وہ مزدور اور کارکن کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ سرمایہ داروں کے خلاف انہوں نے انقلاب برپا کر دیا ہے۔ یہ تاثر قائم کرتے کرتے انہوں نے پاکستانی معیشت کو برباد کر دیا۔

عمران خان کے مشیر رزاق داؤد کے دادا سیٹھ احمد داؤد کو جیل میں ڈال کر ان کا نام ای سی ایل میں ڈال دیا گیا۔ بعد ازاں وہ مایوس ہو کر امریکہ چلے گئے اور وہاں تیل نکالنے کی کمپنی بنالی۔ اس کمپنی نے امریکہ میں تیل کے چھ کنویں کھودے اور کامیابی کی شرح 100 فیصد رہی۔ آج ہمارا یہ حال ہے

کہ ہم تیل کی تلاش کی کھدائی کے لیے غیر ملکی کمپنیوں کے محتاج ہیں۔ صادق داؤد نے بھی ملک چھوڑ دیا، وہ کینیڈا اشفٹ ہو گئے۔

ایم اے رنگون والا ایک بہت بڑا کاروباری نام تھا۔ وہ رنگون سے بمبئی آئے اور قیام پاکستان کے وقت سارا کاروبار لے کر پاکستان آ گئے۔ وہ یہاں ایک یا دو نہیں پینتالیس کمپنیاں چلا رہے تھے۔ انہوں نے بھی مایوسی اور پریشانی میں ملک چھوڑ دیا، وہ ملائیشیا چلے گئے۔

بٹالہ انجینئرنگ کمپنی والے سی ایم لطیف بھی بھارت سے پاکستان آ چکے تھے اور بادامی باغ لاہور میں انہوں نے پاکستان کا سب سے بڑا انجینئرنگ کمپلیکس قائم کیا تھا جو ٹویوٹا کے اشتراک سے کام کر رہا تھا۔ یہ سب بھی ضبط کر لیا گیا۔ انہیں اس زمانے میں ساڑھے تین سو ملین کا نقصان ہوا اور دنیا نے دیکھا بٹالہ انجینئرنگ کے مالک نے دکھ اور غم میں شاعری شروع کر دی۔ رنگون والا، ہارون، جعفر سنز، سہگل پاکستان چھوڑ گئے۔ کچھ نے ہمت کی اور ملک میں ہی رہے' جیسے دادا گروپ، آدم جی، گل احمد اور فتح، لیکن ان کا اعتماد یوں مجروح ہوا کہ پھر کسی نے انڈسٹریلائزیشن کو سنجیدہ نہیں لیا۔

احمد ابراہیم کی جعفر برادرز اس زمانے میں مقامی طور پر کار بنانے کے قریب تھی۔ ہم آج تک کار تیار نہیں کر سکے۔

فینسی گروپ اکتالیس صنعتیں تباہ کروا کے یوں ڈرا کہ اگلے چالیس سالوں میں اس نے صرف ایک فیکٹری لگائی، وہ بھی بسکٹ کی۔

ہارون گروپ کی پچیس صنعتیں تھیں، وہ اپنا کاروبار لے کر امریکہ چلے گئے۔ آج پاکستان میں ان کے صرف دو یونٹ کام کر رہے ہیں۔ کاروباری خاندان ملک چھوڑ گئے یا پاکستان میں سرمایہ کاری سے تائب ہو گئے۔

ادھر بھٹو نے صنعتیں قبضے میں تو لے لیں لیکن چلانہ سکے۔ان اداروں میں سیاسی کارکنوں کی فوج بھرتی کر دی گئی۔ مزدور اب سرکار کے ملازم تھے، کام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا ایک ہی سال میں قومیائی گئی صنعت کا 80 فیصد برباد ہو گیا۔ زرعی گروتھ کی شرح میں تین گنا کمی واقع ہوئی۔ نوبت قرضوں تک آ گئی۔ جتنا قرض مشرقی اور مغربی یعنی متحدہ پاکستان نے اپنی پوری تاریخ میں لیا تھا اس سے زیادہ قرض بھٹو حکومت نے چند سالوں میں لے لیا۔ خطے میں زیادہ افراط زر پاکستان میں تھا۔ ادائیگیوں کے خسارے میں 795 فیصد اضافہ ہو گیا۔

سٹیٹ بنک ہر سال ایک رپورٹ پیش کرتا ہے۔ بھٹو نے چار سال سٹیٹ بنک کو یہ رپورٹ ہی پیش نہ کرنے دی تاکہ لوگوں کو علم ہی نہ ہو سکے کتنی تباہی ہو چکی۔

ہم بھی کیا لوگ ہیں؟

اپنی انڈسٹری اپنے ہاتھوں سے تباہ کر کے اب ہم چین کی منتیں کر رہے ہیں یہاں انڈسٹری لگائے۔

اور بھٹو اب بھی زندہ ہے

وہ تو پاکستان کی مضبوط ترین صنعتی معیشت کو تباہ کر کے دنیا سے رخصت ہو گیا تو اب موجودہ حکمران چین کی خوشامد نہ کریں تو اور کیا کریں اسکی تباہ و برباد کردہ صنعت اب کبھی بھی بحال نہی ہو سکتی کیوں؟

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا۔۔۔۔

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔۔۔

کیا یہ المیہ نہیں ہے کہ پاکستان کی معیشت مکمل تباہ کرنے کے باوجود کروڑوں لوگ اسکو قائد عوام قرار دیتے چلے آ رہے ہیں اور اسی تگ و دو میں ہیں کہ کسی طرح اس کے چیلے چانٹے اور اسکی اولاد حکومت پر قابض ہو جائے۔

امجد حسین وڑائچ

ڈاکٹر صاحب نیشلائزیشن وقت کی آواز اور ضرورت تھی۔ آپ اپنی ریسرچ کریں اور شیئر کریں کیا غلط تھا۔ ان دو ٹکے کے صحافیوں اور نام نہاد فیس بکی دانشوروں کی باتیں شیئر نہ کریں۔ کیا ترقی اس وقت یوں رہی تھی جب ایوبی آمریت میں لوگ گندم نہ ملنے کی وجہ سے مکئی کی روٹی کھانے پر مجبور تھے ہاں گندھارا انڈسٹریز ضرور فروغ پا رہی تھی اور 22 خاندان پھل پھول رہے تھے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

معذرت سے عرض کروں گا کہ پارٹی سے بالاتر ہو کر ملکی سطح پر سوچیں پلیز

مبشر جلیس

ٹھوس دلائل سے بات کریں ھم نے یہ سب کچھ اپنے سامنے ھوتا ھے فیصل آباد کی ساری ملیں چند ایک کو چھوڑ کے بند ھو گئیں اور بھر ان کی چمنیوں سے دھواں نا نکلا۔ اگر وقت کی آواز ملک برباد کرنا تھی تو یہ کام بھٹو نے بخوبی انجام دیا۔ بیکو کی بنائی ہوئی موپڈ اور شہزور چیپ تو ھم نے خود دیکھی ہے اپنی آنکھوں سے۔ اور رہی بائیس خاندان کی بات جاپان کیا ہے ٹویوٹا، ھنڈا، متسوبشی، ٹاپ کون، مزدایہ سب پرائیویٹ ادارے ہیں۔ کوریا کیا ہے سیمسنگ ھندائی۔ اور امریکہ کیا ہے فائزر لاک ہیڈ انٹل گوگل اور جرمنی مرسیڈیز پورش بائر۔

ڈاکٹر سلطان محمود

گو ایوب نے بھی امریکن ایجنڈا پورا کیا یعنی ملکی سیاسی نظام پر فوج کی گرفت مضبوط کر دی تا کہ امریکہ جب بھی چاہے اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکے۔ مگر ایوب نے ان کی منشاء کے خلاف ملک میں صنعتوں کا جال بھی بچھا دیا اور ایک حب الوطن سربراہ کا تاثر بنا لیا۔ امریکہ نے اپنا کام نکلنے کے بعد نیز فوج کی خواہش پر بنگلہ دیش کی علیحدگی میں مدد کے لئے ملک میں ہمیشہ

سیاستدانوں کو بدنام کرنے کی خاطر بھٹو کا انتخاب کیا۔ جس نے پھر واقعی سیاسی چالیں چل کر ڈھاکہ گرا دیا۔ صلے میں بھٹو کو سربراہ مملکت بنایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ملک کی صنعتی ترقی کا بیڑہ غرق کرنے کے لئے بھٹو کو صنعتیں اور تعلیم بھی قومیانے میں خاموشی اختیار کی تاکہ پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لولا لنگڑا ہی رہے اور اصل امریکن ایجنڈا یعنی سوویت یونین کا توڑنا بھی اسی پاکستان سے پورا کرایا جاسکے۔

بد قسمتی سے پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ناصرف پاکستان پر ائی جنگ لڑ کر سوویت یونین توڑتے توڑتے ضیاء کے سات زہریلے تحفے بھی پاکستان کی جڑوں میں ڈائنامائٹ کی طرح فٹ کر تا گیا بلکہ ہم بھٹو کے ہاتھوں پوری کرائی گئی اسی امریکی سازش کے تحت آج بھی صنعت اور تعلیم میں گراؤنڈ زیرو پر کھڑے ہیں۔

"ضیاء کے زہریلے تحفے" کے عنوان سے میرا کالم چھپ چکا ہے جو کہ یہ ہیں۔ نون لیگ، ایم کیو ایم، افغان مہاجرین، کلاشنکوف، سیاچین سے غفلت، کالا باغ ڈیم کو سیاسی مسئلہ بنانا اور اسلام کا بیڑہ غرق کرنا۔ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک ماسوائے چین کے ترقی نجی اداروں اور خاندانوں ہی کی مدد سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ بھٹو نے ان 22 خاندانوں کو ملک سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور آئندہ ابھرنے والے 2200 خاندانوں کا راستہ روک دیا۔

"پاکستان سستا ملک کیوں ہے؟"

کالم 463 از ڈاکٹر سلطان محمود

اگست 5ء2021

جوں جوں اس رپورٹ کی گہرائی میں اتریں گے تو انکشاف ہو گا کہ یہ سروے طمانیت کا باعث نہیں بلکہ کسمپرسی کی تصویر ہے۔

کسی ملک میں جتنا (1) انفراسٹرکچر بہتر (2) عوام پیٹ کے چکر سے آزاد یعنی فی کس آمدنی کی اونچی شرح (3) روزمرہ اشیائے ضروریہ کا بہتر معیار (4) شخصی آزادی اور (5) ٹیکس ادا کرنے کا احساس زیادہ ہو گا وہ لازماً مہنگا ہو گا کیونکہ معیار اور سہولیات کی فراوانی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

اس سروے کے مطابق پاکستان اور بھارت، افغانستان کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہمارے جیسے ممالک میں اوپر بیان کئے گئے پانچوں اشاریئے منفی ہیں۔ اسی لئے ہمارے ممالک سستے دکھائی دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر معیار اور سہولت کے فقدان والے علاقوں میں ہمیشہ کم پیسوں میں گزارہ ہو جاتا ہے۔

اگر ہمارے تجزیے کی صداقت کا امتحان مقصود ہو تو صرف ایک شہر لاہور ہی کے غریب اور امیر علاقوں میں رہ کر دیکھ لیجیے۔ جتنی رقم آپ ڈیفنس میں ایک ماہ میں خرچ کرینگے اسی میں ڈبن پورہ میں تین ماہ رہ لیں گے۔

"ہم تاریک راہوں میں مارے گئے"

کالم 464 از ڈاکٹر سلطان محمود

اگست 14ء2021

ایک قاری نے ازراہ تفنن لکھا ہے کہ فرانسیس گالٹن، چارلس ڈارون کا کزن تھا۔ اس نے ذہانت اور جینز کے اوپر بہت کام کیا، اس کو کافی ایوارڈ بھی ملے ہوئے ہیں، اس کا ماننا تھا کہ ذہانت ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہے، اس نے یہ مشورہ دیا کہ جو ذہین مرد ہیں انکی شادی ذہین عورتوں سے کرائی جائے، اس سے ایک ایسی نسل تیار ہو گی جو کہ ذہین ہو گی، جب کہ جو مرد عورت ذہین نہیں ہیں ان کی شادی نہ کی جائے یا ان کے بچے پیدا نہ کرائے جائیں، تاکہ کم ذہین بچے اگلی نسل میں شامل نہ ہو سکیں، اس تصور پر کافی تنقید کی گئی۔ ایک دوشیزہ ہمیں مشورہ دے رہی ہیں کہ مرنے سے قبل آپ کسی بے حد ذہین عورت سے شادی کر کے اعلیٰ بچے پیدا کر لیں جلد از جلد۔

خیر ہم نے ان کے تفنن کو ایک طرف رکھ کر وضاحت کی ہے کہ مندرجہ بالا طریقہ یا نظریہ گالٹن کا نہیں بلکہ جرمن فلاسفر فریڈرک نطشے کا ہے جو اکثر اپنی تحریروں میں ایک سپر مین کا ذکر کیا کرتا تھا۔ ازاں بعد زرتشت نے بھی اس نظریے پر اپنے اثباتی تبصرے دیئے۔ پھر آگے ایک معروف جرمن فلاسفر ہیگل نے اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے تصور دیا کہ خوبصورت، مضبوط اور ذہین لوگوں کے باہمی اختلاط سے ایسی حاکم نسل وجود میں لائی جاسکتی ہے جن کے بطن سے سپر مین کی طرز کے حاکم لئے جاسکتے ہیں۔ پھر جرمن قوم نے اس کی تحقیق کی روشنی میں واقعی ایک خوبصورت، مضبوط اور ذہین جرمن نسل پیدا کر کے دکھادی لیکن اس نے پھر شومئ قسمت سے مغروری میں آکر دوسری جنگ عظیم برپا کر دی اور یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔

اسی سکول آف تھاٹ میں پھر جرمن فلاسفر گوئٹے اور ایرانی مسلم امام غزالی بھی شامل ہو گئے جن سے برصغیر میں علامہ اقبال بھی متاثر ہو گئے۔ علامہ نے مذکورہ فلسفے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے اس میں ایمان اور عشق کا مسالہ بھی ڈال دیا اور مردِ مومن کا تصور کشید کر لیا۔ اور تعریف یوں کی کہ:

خودی کو کر بلند اتنا، کہ ہر تقدیر سے پہلے۔۔۔
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے۔۔۔

سر فرانسس گالٹن نے ابتدا میں البتہ صرف یہ تصور دیا تھا کہ ذہانت کو سائنسی انداز میں ناپا جا سکتا ہے۔ اس پر فرانسیسی ماہر نفسیات بائنیٹ نے آئی کیو کا تصور دیا جسے لگ بھگ سو برس تک مانا جاتا رہا۔

اب جدید دنیا میں اس تصور کو تدریجی شکل ای کیو کے نام پر دی گئی ہے اور اس تصور پر کام ہو رہا ہے۔ لیکن ان فلسفہ جات پر تحقیق مسلمانوں میں حضرت علامہ اقبال کے بعد رک گئی۔ حالانکہ ان کے فلسفہ مردِ مومن اور فلسفہ ریاست پر تحقیق کی بناء پر ہی انگریز نے انہیں سر کا خطاب دے کر سر فرانسس گالٹن کی لڑی میں پرونے کی کوشش کی تھی۔ بدقسمتی سے علامہ کے بعد اب مسلمان سر اور نوبل پرائز جیسے خطابات سے محروم ہو گئے ہیں اور ایسے خطابات پانے کے لئے انہیں حادثاتی واقعات کی بنیاد پر نوبل پرائز ملنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے جیسے ملالہ کو گولی کھا کر نوبل پرائز ملا۔

اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو پچھلی صدی تک مسلمانوں نے سائنسی تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھا اور پاکستان کے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملا بھی لیکن ہم نے مذہبی بنیادوں پر انہیں مسترد کر دیا۔

ایسے ہی پاکستان نژاد شہناز مالاوالا کو ہارورڈ سکول سے نمایاں اعزازت ملے لیکن انہیں پاکستانی ہی ماننے سے انکار کر دیا گیا۔ اگلے حقدار سماجی خدمات پر عبدلستار ایدھی ہو سکتے تھے مگر ان کی مخالفت بھی مذہب پرستوں اور ایم کیو ایم نے کر دی۔ پاکستان کے علاوہ بنگالی شاعر قاضی نذر الاسلام اور مصر، مراکش و ایران وغیرہ کے سائنسدانوں نے کافی تحقیقی کام کئے لیکن ان پر مختلف الزامات لگا کر یا تو قتل کر دیا گیا یا وہ کام چھوڑ کر گوشہ تنہائی میں چلے گئے جیسے ڈاکٹر عبدالقدیر۔ اور پھر ہم اندھے راستوں میں گم ہوتے چلے گئے۔ پاکستان میں ذہانت پر قاتلانہ ضرب بھٹو نے 1974ء میں تعلیم کو قومیا کر لگا دی اور کم از کم ایک صدی کے لئے پاکستانیوں کو سائنسی ترقی پر آگے کی بجائے پیچھے دھکیل دیا۔

"Some Harsh Days Ahead"

Column 465 by Dr Sultan Mahmood

15Aug2021

Taliban has seized Kabul without a single bloodshed this morning. There are many speculations but first the disappointed guys should be listened.

BAD MOUTHS

It's deeply impossible for our army to deny US policy on Afghanistan due to meeting bread and butter expanses from Uncle Sam. On the other hand China is also angry with us due to willful delays in CPEC progress. So we are fearfully abiding by the US wish list secretly.

Pakistan is forced to facilitate US to attack on Taliban from our lands. This is annoying Taliban. So they will be furious after the Kabul Fall.

Pakistan opened the sealed gate at the border so now we won't be able to stop accepting further Afghan refugees, already 3.5 million are on our neck. And there are high chances that Indian terrorists will also enter in Pakistan in disguise of refugees.

Pakistan also wants to be the part of China-led group of Asian countries against US but dollars are circulating in our blood so forcefully that no country has a trust on us.

Presently our entire civil military leadership has minimal level of political wisdom, so US is snubbing us through Indian firework and may aggravate it to set up some bad examples in coming days. Taliban has seized Kabul today and definitely will control whole Afghanistan within a month, so at that time the country under severe turmoil after Afghanistan will be Pakistan.

Now one can guess what will happen here keeping in view the present scenario but there are some encouraging news as well.

GOOD NEWS

America set free 3,000 prisoners of war in Kabul and vacated occupied territory in hurry.

Warriors of 28 devil countries are fleeing from Afghanistan but China, Russia, Turkey, Iran and Pakistan are staying at Kabul respectfully. It shows Pakistan's line of next action, where there will be no more America and India at least.

No bloodshed in the capital especially between a passage from US embassy to the sole airport. It sounds the deepest confidence of Taliban, as well as an act of humanity where no bad mouth could bark.

Taliban gave a safe way to all native and foreign warriors to flee Kabul except India. India, who ignored its poverty and invested billions of dollars in our neighborhood to destabilize us, is now under the deep wave of grief on its independence day and finds no moment even to confess or repent.

All bad tongues are now stumbled around and shamefully silent about Imran Khan who were previously trying to prove IK before US as Taliban Khan. Now IK is standing upright with new pro-Taliban power group, i.e, Xi, Putin،Erdogan, Khomenai and the heads of Central Asian States transforming allegations into reality.

Pakistan helped in defeating two super powers on the same soils of Afghanistan and whole globe is embracing strategic thinking of our army. Hameed Gul rightly said once "we defeated Soviet

Union in Afghanistan by the help of America, and we'll also defeat America there by the help of America".

Who will deny that this year's 15 August is a landmark example of three events occurred simultaneously, Fall of Kabul, Indian defeat in Afghanistan on its independence day and the death anniversary of Gen Hameed Gul. In other words, great day for our ISI.

Conclusively, it is imminent that there will be many harsh years for Pakistan to face ahead if Taliban undermined Pakistan and/or Pakistan could help Talibans to stand firm for the export of Islamic caliphate.

"فصلی دانشور"

کالم 466 از ڈاکٹر سلطان محمود

اگست 2021ء18

کیا ہم نے اس بنیادی سوال پر کبھی غور کیا کہ آج کے تہذیب و تمدن کے حاشیہ برداروں یعنی امریکہ و یورپ کے پاس وہ کونسا اخلاقی و قانونی جواز تھا جس کی بنیاد پر انہوں نے پچھلے دو سو برس سے اپنی سرحدوں سے باہر نکل کر دنیا بھر کی دولت لوٹی؟ پھر آہستہ آہستہ وہاں کے غداروں کو ساتھ ملا کر اس طریقے سے کالونیاں آزاد کیں کہ ازاں بعد نہ صرف کرپٹ سیاستدانوں کے ذریعہ آج تک دولت لوٹتے چلے جا رہے ہیں بلکہ سازشیں بُن کر اپنا اسلحہ زبردستی بیچتے رہتے ہیں نیز دنیا بھر کے زرخیز اذہان کو بھی اپنے پاس لے جا کر ترقی کے زینے طے کرتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر اچھا سازشی ذہن استعمال کرتے ہوئے اپنی سابقہ کالونیوں کو مذہبی و طبقاتی تقسیم میں ڈال کر مزید کمزور بھی کرتے رہتے ہیں۔

اب اگر دنیا میں مغرب کو گہرائی سے جاننے والا کوئی رہنماء یا عام آدمی ان کی سازشوں کو بے نقاب کر دے تو سطحی علم والے اپنے ہی بندے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں یعنی اس خبر پر کتے کے پیچھے بھاگنے لگ جاتے ہیں کہ وہ ہمارا کان کاٹ کر لے گیا اور نیم شعوری طور پر وجوہات کی جانب نہیں جاتے کیونکہ ان کے پاس اپنا سیاسی بغض نکالنا مشکل ہو جاتا ہے ورنہ کتے کے پیچھے بھاگنے سے قبل اپنا کان چیک کرنا کونسا مشکل امر ہے۔ اس کی عام فہم مثال ذیابیطس یا دل کے دورے جیسی ہے کہ جس میں ہم ان بیماریوں کا شکار ہونے کی بنیادی وجوہات کو جاننے یا انکا تدارک کرنے کی بجائے ان نکات پر بحث کرتے ہیں کہ مریض نے صحیح دوا نہیں لی یا ورزش نہیں کی، وھذا الی القیاس۔

اب آئیں ذرا ان فصلی دانشوروں کی جانب جن کی تحریروں اور تقریروں کو سوشل میڈیا نے چار چاند لگا رکھے ہیں۔ اور وہ بستر پر لیٹ کر نیزہ باز ندیم کو گولڈ میڈل حاصل نہ کرنے پر اس کی غلطیاں جتا رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ کہ یہ امر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہتا ہے کہ اس بیچارے نے نہ جانے کتنی جان ماری ہو گی۔

تازہ مثال افغانستان پر تبصروں کی بھرمار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس عالمی واقعے پر علم کی ندیاں بہا دینے والوں کی فصل راتوں رات پک کر تیار ہو گئی ہے۔ پورے کرہ ارض پر چند ہزار لوگ بھی ایسے نہ نکلیں گے جن کو سی آئی اے، آئی ایس آئی، موساد، راء، ایم آئی وغیرہ کی حکمت عملیوں سے جانکاری ہو گی۔

کالم 467 از ڈاکٹر سلطان محمود

IMRANOPHOBIA

Once Imran was a threat to cricketers of the west, then became a nightmare to the culprits of the east but just now has emerged as the proud monster for the petit and bankrupt minds.

Those who have nothing to do a faithful job or those who made a hay while the sun of the greatest culprits NS and AZ was shining or those whose minds are filthy grown attack on IK from each angle mostly below the belt.

In fact IK deserves all this nuisances because he has wrongly decided to lead such a crowd where supposedly lesser than 30٪ are literate, lesser than 20٪ honest and hardly below 10٪ aware of the art of sensible analysis. Rest of the trash can only mock. This is the same narrative which Haggle stated philosophically some 200 years before by saying that if one percent people are honest and the rest of 99٪ are corrupt then the honest will have to be corrupt, and vice versa. The same is true for Imran.

"مسلمان کے زوال کی اصل وجہ قرآن کا چھن جانا ہے"

کالم 468 از ڈاکٹر سلطان محمود

ستمبر 19ء2021

ایک معزز دوست فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کرو اور اس پر عمل کرو۔ ہم نے جملہ معترضہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا بنا سمجھے ہی عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ سمجھیں گے ہی تو عمل کریں گے لیکن ہمارا پرنالہ وہیں ہے کہ جو کتاب ہم سے صرف اس لئے چھن چکی ہے کہ ہم اس کے معانی واحکامات سے بے خبر رہے اس پر عمل سب علماء کی تشریحات کے بل پر ہی ہو گا۔ لیکن علماء تو فرقہ اگر یہ کہا جائے تو کیا آپ مان جائیں گے کہ ہمارے ہاتھ میں بندی کے باعث متنازعہ ہیں لہٰذا مقدس کتاب قرآن کریم تو موجود ہے لیکن حقیقت میں یہ ہم سے چھن چکا ہے کیونکہ ہم اب صرف اس کے عربی الفاظ دہرانے والے مسلمان ہی رہ گئے ہیں؟ یا اگر کہا جائے کہ ہمارا پیارا سا بچہ آج بھی ہمارے گھر ہی میں رہ رہا ہے لیکن در حقیقت اسے تہذیب مغرب ہم سے چھین چکی ہے تو کلیجہ منہ کو نہ آجائے گا؟ یا یہ کہا جائے کہ مزے مزے کے پکوان تو ہمارے حلق سے اتر رہے ہیں لیکن یہ ملاوٹ اور مضر اجزاء کے باعث صحت کے ضامن نہیں رہے تو ہمیں رنج محسوس نہ ہو گا؟ لیکن بد قسمتی سے یہ تینوں باتیں درست ہیں۔

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ اسکی پہنچ میں قران تو ہے لیکن اس کی سمجھ اور عقل سے کوسوں دور۔ اگر کل 50 فیصد با عمل مسلمان فرض کر لئے جائیں تو ان کے 99 فیصد سمجھے بوجھے بغیر محض ثواب سمجھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یعنی کرہ ارض پر آباد ڈیڑھ

ارب میں سے صرف سات کروڑ قرآن کو باترجمہ سمجھنے والے ہیں۔ پھر ان میں سے محض دس فیصد علماء سے رجوع کرتے ہیں یعنی سات لاکھ کے لگ بھگ اور وہ بھی زیادہ تر مرد۔ پھر فرقہ در فرقہ بٹے علماء منبر مساجد پر حاضرین کو قصے کہانیاں سنا کر ٹرخا دیتے ہیں۔ اس طرح ہزار میں سے دو تین کے پلے اصل قرآن کریم پڑتا ہے اور جب یہ دو ہزار اپنی خواتین تک قرآن پہنچاتے ہیں تو دس ہزار خواتین میں سے دو تین کی سمجھ میں اصل قرآن آتا ہے۔ یہ آسان سا حساب آپ خود لگا لیں۔

بچے پر زیادہ اثرات ماں کے ہوتے ہیں اور آج کی مسلمان ماں قرآنی تعلیم کے لحاظ سے جہالت میں گھٹنے گھٹنے غرق ہے۔ اس لئے امت مسلمہ پچھلی گیارہ بارہ صدیوں سے جہالت میں مکمل ڈوبی ہوئی ہے۔ نہ تو آج کی ماں علماء سے رجوع کرتی ہے اور نہ اس نے قرآن سمجھنے کی تربیت حاصل کی ہوئی ہے۔ اب غور کریں کہ اس نیم چڑھی کریلا ماں نے خاک بچے کو قرآن کی افادیت سمجھانی ہے جو خود محض عربی تلاوت ہی کو ذریعہ نجات سمجھ بیٹھی ہو۔

حضرت عمر رض کے دور فتوحات میں

لیکن دوسری جانب غیر مسلم پوری تیاری سے اسلام اکھاڑنے پر اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ لہٰذا میرے اندازے کے مطابق دین اسلام کی بیخ کنی کی جا چکی ہے لیکن اس قدر سچی ننگی حقیقت ایک کمزور مسلمان بھی چونکہ سننا نہیں چاہتا اور نہ اس پر یقین کرنا چاہتا ہے اسی لئے دین اسلام پہلے پہل اجتماعیت سے انفرادیت تک قید ہوا اور اب یہ قسم قسم کے سینوں کی بھی اکثریت میں دفن ہو کر عمل سے فارغ ہو چکا ہے۔

پاکستانی مسلمان زیادہ منافقت کا شکار ہے جس کی محض ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ وہ آدھی زندگی دنیاوی چکا چوند میں گزارنے کے بعد بیکار والی بقیہ آدھی زندگی میں داڑھی رکھ کر مسجدوں کے چکر

یہ سمجھ کر لگانا شروع کر دیتا ہے کہ شائد یہی جنت کا راستہ ہے۔ اور پھر اسی خام خیالی میں بغیر دوسروں تک قرآن پہنچائے قبر میں اتر جاتا ہے۔

"سلطانی بھی عیاری، درویشی بھی عیاری"

کالم 469 از ڈاکٹر سلطان محمود

مورخہ 23 ستمبر 2021ء

سوشل میڈیا کے معروف پٹواری گروپ کی ایک صلح کن مگر سادگی کی پیکر مادام نے لکھا ہے کہ پاکستان اس دن ترقی کرے گا جب دلاور صاحب اور سلطان صاحب پی ٹی آئی پر بھرپور تنقید کرینگے اور سڈل صاحب اور ڈاکٹر علی حسن نون لیگ پر۔

محترمہ کا پہلے تو بھرپور شکریہ کہ مجھے اتنی اہمیت دے ڈالی کہ پاکستان کی ترقی کے لئے ایسا آسان سا ہدف دے دیا ہے کہ محض تحریک انصاف پر تنقید ہی سے ملکی ترقی کی شرط لگا بیٹھی ہیں۔ اس "مشکل" سے کام پر میر الڈیاں "پانے" کو دل چاہ رہا ہے کیونکہ محترمہ شائد آج تک اتنا بھی یقین نہیں کر پائیں کہ میں شروع دن سے دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح تحریک انصاف کا بھی سخت ناقد ہوں عمران کو چھوڑ کر۔ یا شائد وہ عمران ہی کو تحریک انصاف سمجھتی ہیں۔ میری تنقید اگر اس قدر خوش قسمت ہوتی تو کم از کم پاکستان ایف اے ٹی ایف کی ناجائز گرفت سے تو باہر نکل آتا یا نیوزی لینڈ ٹیم یوں تھوک کر نہ بھاگتی یا پھر اور کچھ نہ ہوتا تو کم سے کم سیاسی کاروباری خاندانی کمپنیوں کے ہاں 1964ء کے وقت ہی سے بچے پیدا ہونے بند ہو چکے ہوتے نیز انگریز کے کتے نہلانے والی بارہویں نسل آج بھی ہم پر حکومت نہ کر رہی ہوتی۔

میں تو کسی بھی جماعت کی سیاست کو سرے سے مانتا ہی نہیں کیونکہ میرے نزدیک یہ سیاسی جمہوری پارٹیاں نہیں بلکہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیاں ہیں جو عوام کی ہڈیوں کے گودے سے سونا کشید کرتی ہیں اور میں ان کی نجی لوٹ مار کا سخت مخالف ہوں بھلے سے وہ جماعت اسلامی یا ایم کیو ایم ہی کیوں نہ ہوں جو پرائیویٹ کمپنیاں تو نہیں ہیں مگر کچھ کم بھی نہیں ہیں۔

بعینہ میں ہر فرقے کا بھی سخت مخالف ہوں چاہے وہ جنت کی پرچیاں بانٹنے والے "مومنوں" کی شیعہ پارٹی ہو یا سواد اعظم کی بریلوی "کمپنی"۔ مجھے سادگی کے ساتھ صرف اپنے ملک اور معصوم قوم سے غرض ہے یا خالص سیدھی لائین پر چلنے کا حکم دینے والے اسلام سے سروکار ہے جس کے مطابق کسی کے ہاتھ یا زبان سے کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچتا۔

جب ضیاء کی کوکھ سے ایم کیو ایم اور نون لیگ نکلی تھیں تو مجھے کافی دیر بعد ہی سہی مگر اسی وقت سمجھ لگ گئی تھی کہ تمام سیاسی جماعتیں اسٹیبلشمنٹ نے ہی بنا رکھی ہیں اور تمام مسلم فرقے عالم یہود نے۔ "مالکان" جب ڈوری ہلاتے ہیں بندر ناچنا شروع کر دیتے ہیں نیز یہ حقیقت بھی ریکارڈ پر ہے کہ نہ تو کسی سیاسی جماعت نے غریب کو غربت سے نکالا ہے اور نہ کسی فرقے نے سادہ مسلمان کا ایمان سلامت رہنے دیا ہے۔ اگر میں غلط ہوں تو تصحیح کرنا آپ دوستوں کا فرض ہے مگر پہلا پتھر وہ مارے جو کم از کم مجھ سے کم گنہگار ہو۔

اسٹیبلشمنٹ نے نون لیگ بنائی تو نواز شہباز نے جی بھر کے اپنے ہی خاندان کا پیٹ بھرا اور غریبوں کو لوٹ کر دیار غیر میں دولت کے ڈھیر لگا کر مغربی لٹیروں کی مدد کی۔ زرداری کی پی پی نے اس سے بھی برا کام کیا اور زمین پر ایک دھیلا بھی نہ لگنے دیا۔ تحریک انصاف میں عمران کے علاوہ وہی پرانے بنارسی ٹھگ اور کچھ نئے پاپی چالیس چور آن جڑے جو کما کما کر اسٹیبلشمنٹ کا پیٹ بھرتے ہیں۔ ایم کیو ایم نے کراچی میں پرچیاں اور بوریاں ہی ختم کر ڈالیں۔ جس طرح سب جماعتوں نے ملکی مفاد کا نام لے کر غریب کو لوٹا ویسے ہی جماعت اسلامی بھی ماشاءاللہ، اللہ کا نام لے کر اپنے "صالحین" کو آگے کر دیتی ہے۔ میں تو گٹر سیاست اور کاروباری اسلام کی چالیس سالہ خاک چھاننے

کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر آپ واقعی باضمیر ہیں تو آپ کسی بھی سیاسی جماعت کا نہ تو حصہ بن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی مذہبی فرقے کے مبلغ۔ وما علینا الی البلاغ۔

بقول شاعر:

سلطانی بھی عیاری، درویشی بھی عیاری۔۔۔

کالم 470 از ڈاکٹر سلطان محمود

Asif Khan: Anti Pakistan & paid media continuously trying to somehow create confusion & destabilize our Country using their own Agents & collaborators.

It's really sad some of our friends either don't understand the actual motive behind such postings social media or they are being paid to spread confusion regarding the Government, the State and our National Institutions.

فیصل رضا خان: مثلاً خان صاحب، صحافیوں کو کون کون ملک کے خلاف رقم دے رہا ہے؟

صحافی کو دو وقت کی روٹی دستیاب نہیں؟ وہ کون سے صحافی ہیں، جنہوں نے اپنے پاکستان کے خلاف اپنے ایجنٹس اور سہولت کار رکھے ہیں؟

مجھے واقعی نہیں پتا، علم میں اضافہ چاہ رہا ہوں۔

فیصل رضا خان: برائے مہربانی تھوڑی توجہ درکار ہے، صدق دل سے لکھا ہے۔

یہ بڑی بحث ہے، سوشل میڈیا بریگیڈز کو صحافت کی الف، ب کا بھی علم نہیں..... میڈیا یا ذرائع ابلاغ بہت وسیع صیغہ ہے، میڈیا میں مالکان، ادارتی شعبہ، حالات حاضرہ سے متعلقہ افراد (اینکرز اور پروڈیوسرز)، فیلڈ رپورٹنگ یا شعبہ خبر نشر و اشاعت (رپورٹرز، کیمرہ مین اور فوٹو گرافرز)، ڈیسک اسٹاف (چیف نیوز ایڈیٹر، سب ایڈیٹرز، کاپی رائٹرز، ڈیسک ایڈیٹرز) اور دیگر شامل ہیں۔ یہاں ہر ایک کو لفافہ صحافی کہہ دیا جاتا ہے، حالانکہ ان سب میں شدید کرب میں مبتلا ہمیشہ پسنے والا

طبقہ شعبہ خبر سے وابستہ لوگ ہیں، یہ نہیں کہتا کہ ان میں لوگ لفافہ نہیں لیتے لیکن اکثریت ایماندار لوگوں کی ہے، جو لفافے سمیت ہر قسم کی رشوت ہر لعنت بھیجتے ہیں، لیکن جب سب کو لفافہ کہا جاتا ہے تو ہم جیسے اس ظلم و تشدد کی چکی میں پسنے والے صحافیوں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے اور جو لفافہ لیتے ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہیں جو عادت سے مجبور ہیں، دوسرے وہ جو حالات سے مجبور ہیں۔

اب جو حالات سے مجبور ہیں، ان کی کہانی سنیں۔

بندہ ناچیز دفاع، تذویراتی امور اور خارجہ امور کو دیکھ رہا ہے، پاکستان کی تینوں مسلح افواج سے ہمیں پیار ہے، ہمارے فوجیوں نے وطن عزیز کی بیش قیمت اور لازوال قربانیاں دیں۔ ان کو ملنی والی مراعات جو بالکل انہیں ملنی چاہیں، ان میں مفت علاج، بچوں کی تعلیم، ٹرانسپورٹ، (معمولی فیس پر)، گھر (معمولی کٹوتی پر)، ایمبولینس، پلاٹس (سروس کے دوران معمولی کٹوتی پر)، روزمرہ اشیائے خورونوش ارزاں نرخوں پر سی ایس ڈی سے، شہادت پر دگنی تنخواہ، ایک بچے کی نوکری، بیوہ کے لیے زندگی بھر کے لیے رہائش۔ اس کے علاوہ بہت کچھ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سپاہی اور افسران بے فکر ہو کر ملکی دفاع کے لیے سینہ سپر رہتے ہیں۔ اور یہ سہولیات ایسے سرفروشوں کو ملنی چاہئیں۔

اب ذرا فیلڈ میں کام کرنے والے صحافی بارے حقائق جانیں، یاد رہے ہمیں صرف معمولی سی تنخواہ ملتی ہے (وہ بھی اگر اسی مہینے مل جائے تو، ورنہ اکثر وہ بھی نہیں ملتی)۔

بندہ ناچیز اور مجھ جیسے کئی دیگر صحافیوں نے پوری انسداد دہشتگردی کی جنگ کور کی، اپنے سینے پر، نہ ہیلمٹ، نہ بلٹ پروف جیکٹ، نہ کوئی ہارڈ ایریا الاؤنس، نہ وقت پر تنخواہ، نہ بچوں کے لیے کچھ اور اپنے سامنے اپنے صحافی بھائیوں کے پرخچے اڑتے دیکھے۔ ہماری کوئی پنشن نہیں، بچوں کی تعلیم، خاندان کی صحت، چھت، آنے جانے کے لیے کنوینس، کوریج کے لیے گاڑی، انشورنس، کچھ بھی

نہیں، کچھ بھی نہیں، ہمارا کھانا، پیٹرول، آنا جانا، کوریج سب ہماری جیب سے ہوتی ہے، بیمار ہو تو علاج اپنا، اور دو تین دن سے زیادہ چھٹی پر ادارہ نکال دیتا ہے، ہم کئی کئی ماہ اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں سے نہیں مل سکتے، ہماری کوئی سوشل لائف نہیں، جنازے پر بھی خبر بنا رہے ہوتے ہیں، کرائے کے مکانوں میں ساری زندگی گزرتی ہے اور پھر ہر اک کی جلی کٹی علیحدہ سنتے ہیں۔

ہمارے شہید ساتھیوں کا تو حکومت یا ریاستی ادارے کہیں ذکر تک نہیں کرتے، 6 ستمبر گزری سب شہداء کو سلام پیش کیا گیا، کسی نے کسی شہید صحافی کے گھر والوں کو فون تک نہیں کیا۔

کیا ہم انسان نہیں، پاکستانی شہری نہیں۔ جی بالکل صحیح نہ ہم انسان ہیں، نہ ہم پاکستانی ہیں، ہم صرف اس ملک کے لیے خرچ ہونے آئے ہیں، 24 گھنٹے کام اور ساری زندگی محنت کر کے بھی ہمیں لفافہ صحافی کا منفرد اعزاز ملا ہے۔

ہاں ہر حکومت، ریاستی اداروں نے کبھی معمولی کبھی بھاری رشوت دے کر، صحافت میں اپنا حلقہ احباب بنایا، اور اس سے کئی گنا فائدہ اٹھایا، یہ کام فوجی اور سول سب حکومتیں کرتی رہیں، آج تحریک انصاف سب پر سبقت لے گئی، فیک نیوز جسے ایشو بنایا گیا ہے، سب سے زیادہ تحریک انصاف کی حکومت کا خاصا ہے، صحافی غیر جانبدار تو شائد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی انسان ہے لیکن اسے میرٹ خبر ضرور دینی چاہیے جو اس کا پیشہ ہے، اور زندگی میں ہمیشہ ہر پیشہ ور صحافی ایسا کرتا ہے، لیکن ہر کو لفافہ کہنا درست نہیں، کیونکہ صحافی کا کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس کا تعلق عوام اور ملک سے ہے، کیونکہ ہمیں عوامی، ملکی مفاد اور آئین و قانون کو دیکھنا ہے، کسی شخص، جماعت یا ادارے کے مفاد کو نہیں۔

از ڈاکٹر سلطان محمود برائے فیصل رضا خان آف پٹواری گروپ

جی درست مگر کالے کرتوتوں والے سوشل میڈیا پر بیٹھے ویلے لوگ دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے الٹا مجھ جیسے سادہ سے ماہر ماحولیات کو بولتے ہیں کہ میں پی ٹی آئی سے پیسہ لیتا ہوں اس لئے کہ میں عمران کی تعریف کرتا ہوں۔ سیاسی میدان میں سے شائد کوئی مجھے جانتا بھی نہیں اور نہ کسی صحافت سے میرا کوئی تعلق ہے۔

یہ ذہنی بیمار ویلے جب عمران کے کارٹون اور "آٹا گوندھنے ہلتی کیوں ہو" جیسی ذہنیت سے سوشل میڈیا پر لنگر انداز ہوتے ہیں تو ان کے مقابل جو بھی آتا ہے اسے لفافہ صحافی یا "راتب" جیسے الفاظ استعمال کر کے اپنی گٹر سوچ کو سر عام پھیلا کر گروپ گندا کر دیتے ہیں۔ ایسے بدبودار لوگوں ہی کی وجہ سے اس گروپ کا کسی نے نام "پٹواری گروپ" رکھ دیا تھا۔

"مہنگائی کا منطقی استدلال"

کالم 472 از ڈاکٹر سلطان محمود

اکتوبر 2021ء 17

کسی بھی ملک میں مہنگائی ایندھن کی قیمت کے حساب سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن اسی مہنگائی میں ایندھن کی قیمت کا براہ راست تعلق جن عوامل سے جڑا ہوتا ہے ان میں عام شہری کی قوت خرید یعنی اس کی سالانہ آمدن، حکومت کا قیمتوں پر قابو یعنی گورنس کا معیار نیز حکومت اور تاجروں کی ایمانداری یعنی ناپ تول و ملاوٹ وغیرہ اہم ترین کردار ہیں۔

تاریخ انسانی میں مہنگائی ہمیشہ بڑھنے والی علت کا نام ہے ماسوائے مصنوعی کنٹرول کے کیونکہ مہنگائی کا مجموعی تعلق ملکی پیداوار خصوصاً غذائی پیداوار، صارفین کی تعداد یا آبادی کی بڑھوتری اور صارفین کی آمدن کے ساتھ ساتھ حکومت اور تاجر کی ایمانداری سے بھی بہت گہرا ہے۔ لہٰذا مہنگائی کے نعرے کو سیاسی مخالفت میں استعمال کرنا بے حد آسان ہے۔ عموماً سیاسی بٹیرے اپنی پسند ناپسند کی بنیاد پر چونچیں لڑاتے رہتے ہیں۔ جونہی ملک میں ایندھن کی قیمت بڑھتی ہے تو سیاسی مخالفین اسے حکومتی نااہلی سے جوڑ دیتے ہیں مگر حمایتی ثابت کرنے پر تل جاتے ہیں کہ دنیا بھر میں ایندھن ہمارے ہاں ہی سب سے سستا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں دھڑوں کا مہنگائی کو محض ایک پہلو سے ہی دیکھتے رہنا غیر منطقی اور سراسر جھوٹ ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے تئیں کوشش کی ہے کہ کسی بھی پارٹی کا برانڈ نہ بنا جائے اور اختلاف اور جھوٹ کو ہوا دینے کی بجائے ایک منطقی تجزیہ پیش کریں جس کے لئے ہم نے پاکستان سمیت دنیا کے مختلف خطوں کے نو ممالک کی ایک ایسی تصویر کھینچی ہے کہ جس سے امید ہے کہ انصاف پسند لوگوں کا ذہن کافی حد تک صاف ہو گا نیز عام بھولی عوام کو بھی منطقی تجزیے کی طاقت کا احساس ہو گا۔ لیکن

شومئ قسمت سے سیاسی بٹیرے چونچ پھنسائے ہی رکھیں گے کیونکہ فارغ لوگوں کا کام ہی چونچ پھنسائے رکھنا ہے۔

کچھ دوست لمبی تحریر پڑھنا نہیں چاہتے تو ان کے لئے نتیجہ یہیں درج کر دیتے ہیں کہ کہیں 1100 میں سے 1100 نمبر حاصل کرنے والی صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑے یعنی جہاں عوام انگشت بدنداں ہے، احمق والدین و طلباء شادیانے بجا رہے ہیں اور حکومت معذرتیں پیش کرتی نظر آ رہی ہے۔ ہماری آج کی ساری تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ ان نو ممالک میں سب سے سے مہنگا ایندھن پاکستان میں ہے۔ ہم نے جو نو ممالک چنے ہیں وہ تحریک انصاف کی پیش کردہ تصویر کے مطابق ہیں تاکہ عمران ہیرو سے محبت کرنے والے گالی گلوچ پر نہ اتر آئیں اور نہ ہی لندن بیٹھے لٹیروں کو اعتراض ہو بلکہ لوٹ مار مافیا بھی سچ کے سامنے جھک کر منہ چھپائے۔ اس فہرست میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں پٹرول کی قیمت سب سے کم ہے جو بات بظاہر درست بھی ہے لیکن اگر صرف پٹرول کی قیمت کی حد تک رہے تو۔ کیا ہم تقابل کرتے وقت عوام کی قوت خرید اور کرپشن کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟ اگر آپکا جواب ہاں میں ہے تو برائے مہربانی یہ تجزیہ مت پڑھیئے۔

تو صاحبان قدر دان ہم نے دنیا کے مختلف خطوں کے ممالک کی ترتیب کو یوں لیا ہے کہ پٹرول کی سب سے زیادہ قیمت والے ملک ہانگ کانگ کو سر فہرست رکھتے ہوئے کم ترین قیمت والے ملک یعنی اپنے وطن عزیز کو آخر میں لیا ہے۔ ان ممالک کی فہرست یوں ہے، ہانگ کانگ، برطانیہ، نیوزی لینڈ، بھارت، چین، بنگلہ دیش، امریکہ، سری لنکا اور پاکستان۔ اتفاق سے اس میں افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک شامل نہیں ہیں۔

پاکستانی روپوں کے حساب سے منتخب ممالک میں پٹرول کی قیمت یہ ہے۔ ہانگ کانگ 444 روپے فی لٹر، پھر آگے چلیں تو یوں ہے۔ برطانیہ 324، نیوزی لینڈ 302، بھارت 240، چین 209، بنگلہ دیش 188، امریکہ 164، سری لنکا 158 اور پاکستان 138 روپے فی لٹر۔

چونکہ محض قیمتوں کا موازنہ بے معنی رہتا ہے جب تک مذکورہ ملک کے عوام کی قوت خرید کو مد نظر نہ رکھا جائے۔ چلیں اس پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ قارئین کی آسانی کی خاطر ہم نے ترتیب پٹرول کی قیمت کے حساب ہی سے رکھی ہے تاکہ قارئین آسانی سے سمجھ سکیں۔ ساتھ ہی ہم نے ہر ملک کی بھی کہتے GNP یا ملک کی فی کس قومی آمدن بھی لی ہے یعنی گراس نیشنل انکم جسے کبھی GNI کی کل قومی آمدن کو امریکی ڈالر میں لے کر اسی ملک کی آبادی پر تقسیم کر کے تھے۔ یہ کسی ملک حاصل کی جاتی ہے۔ اور بہت آسانی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی قوت خرید کتنی ہے۔

2020 کے اعداد و شمار کے مطابق ہانگ کانگ کی فی کس سالانہ آمدن 48,630 ڈالر ہے۔ اس کے بعد برطانیہ کی 42,130، نیوزی لینڈ 43,950، بھارت 6,390، چین 17,200، بنگلہ دیش 5,310، امریکہ 66,060، سری لنکا 3,720 اور پاکستان 4,770 امریکی ڈالر سالانہ ہے۔ اس قوت خرید کے حوالے سے دنیا میں سستا ترین پٹرول امریکہ میں اور مہنگا ترین سری لنکا میں ہے۔

اب آتے ہیں اس اہم ترین فیکٹر کی جانب کہ جس کا سوال پٹرول کی قیمت اور صارف کی قوت خرید کے بعد بھی اٹھتا ہے کہ صارف کی گاڑی میں پٹرول گیا کتنا اور اس پٹرول کا معیار کیا تھا؟ اور یہاں 2020 کے اعداد و شمار کئے گئے کہ جس ملک کی حکومت اور عوام بہترین ایماندار ہونگے وہ پہلے اور یعنی کرپشن (CPI) بدترین بے ایمان کو ایمانداری میں 100 ویں نمبر پر رکھا گیا، سے سی پی آئی پر سیپشن انڈیکس کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بھی ساتھ ساتھ سوچتے جائیں کہ جن ممالک کا درجہ 100 سے

بھی اوپر چلا جائے گا وہ کس قدر بے ایمان تصور ہونے چاہئیں ؟یعنی کرپشن پر سیپشن انڈیکس کا ذکر CPI خود بخود آجانا بے حد ضروری ہے۔یعنی کسی ملک کا کرپشن میں کون سا مقام ہے ؟

اب ذرا دل تھام کے پڑھیئے کہ کچھ ممالک کے بھلے سے کروڑوں لوگ سالانہ اپنے مقدس مقامات پر پوجا پاٹ کے لئے جاتے ہوں مگر ان میں سے کوئی بھی ٹاپ ٹین ایماندار ممالک میں سے کیوں نہیں ؟بلکہ شاید پہلے پچاس میں بھی کیوں نہیں ؟خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔اب حقیقت دیکھئیے۔دنیا کے 180 ممالک میں پچھلے برس تک ایمانداری میں محض چار ممالک پہلے نمبر پر آتے ہیں جن میں نیوزی لینڈ بھی ہے۔ہمارے منتخب کردہ نو ممالک کے ایمانداری میں درجات کچھ اس طرح ہیں۔ ہانگ کانگ کرپشن میں 11 ویں درجے پر ہے اور برطانیہ بھی 11 لیکن نیوزی لینڈ کا 1، بھارت 86، چین 78، بنگلہ دیش 146، امریکہ 69، سری لنکا 94 اور پیاری دھرتی کا 124 واں درجہ ہے۔

قارئین اب اگر تینوں اشاریئے اکٹھے کر کے دیکھے جائیں یعنی فی کس آمدنی کے بل پر قوت خرید، پٹرول کی موجودہ قیمت نیز پمپ والوں کی ایمانداری کے بل پر گاڑی میں پڑنے والے پٹرول کے علاوہ پٹرول میں ملاوٹ تو نیوزی لینڈ میں پٹرول دنیا بھر سے سستا اور ہمارے ہاں سب سے زیادہ مہنگا ہے۔ہمارے تجزیے کے مطابق قوت خرید اور ایمانداری کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان میں پٹرول کی قیمت زیادہ سے زیادہ 80 روپے لٹر ہونی چاہئیے جبکہ اسے یہاں پر رکھنا ممکن بھی ہے۔

نعرۂ انسانیت۔۔۔یا عوام الناس۔۔۔
نعرۂ کرپشن۔۔۔کر لو جلدی جلدی۔۔۔
نعرۂ زندگی۔۔۔موت سے پہلے پہلے۔۔۔۔۔

اور اگر اب بھی سیاسی کوے اپنے اپنے مردار پر لپکیں تو پھر ان کی شان میں کون سی غلیظ گستاخی مناسب رہے گی اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں

"کیا نمبر علم کا معیار ہیں؟"

کالم 473 از ڈاکٹر سلطان محمود

اکتوبر 21ء2021

ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ایم ایس سی کے سپر وائزر ملک یعقوب صاحب بتلایا کرتے تھے کہ واشنگٹن سٹیٹ یونیورسٹی سے جب انہوں نے غالباً 1967ء میں ماسٹرز کیا تھا تو سیکنڈ ڈویژن ایک سوبر اور منطقی گریڈ سمجھا جاتا تھا۔ انہیں دیکھ کر لگتا بھی تھا کہ طلباء بے حد قابل ہوا کرتے ہوں گے۔ اس نسل کے میٹرک اور انٹر میں بمشکل 60 فیصد نمبر آیا کرتے تھے لیکن یہ وہی پاکستانی پود تھی جس نے ایٹم بم بنایا اور ایوب خان کے نافذ کردہ تیسرے چوتھے پنج سالہ منصوبوں تک کو پروان چڑھا کر منگلہ تربیلا جیسے ڈیم بنائے اور ملک کو آئین بھی دیا۔ یاد رہے کہ آج کے پاکستان کی جھولی میں صرف یہی مال موجود ہے اور ہم اسی پر ابھی تک اتراتے بھی پھر رہے ہیں۔ حالانکہ اسی دور میں گورے نے انٹرنیٹ بنا کر دنیا کے علوم کا خزانہ کمپیوٹر کی شکل میں ہماری دسترس میں کر دیا تھا لیکن ہم نابلد رہے۔

پھر 1985ء میں ہمارے ماسٹرز کی تعلیم کے وقت میں اچھی قابلیت کا معیار 80 یا 85 فیصد کے ساتھ اے گریڈ لینا ہو گیا۔ پاکستانی طلباء کا معیار گو کہ گرتا چلا جا رہا تھا لیکن پھر بھی ایک غنیمت اور اطمینان کا دور تھا۔ ہماری پود ملک کو کچھ خاص تو نہیں دے سکی سوائے اس کے کہ ملازمتوں سے باعزت طریقے سے ریٹائر ہو گئے اور اپنی اگلی نسل کو مثبت انداز میں ڈھالنے کی شدید کشمکش میں بیمار ہو ہو کر مرتے چلے جا رہے ہیں۔ ابھی بھی ہماری نسل کے بیشمار لوگ اپنی پنشن کے اندر گزارہ کرنے والے ہیں۔ لیکن بہر حال معاشی حالات اتنے تنگ ہو گئے ہیں کہ بعض دوبارہ ملازمتیں کر رہے ہیں۔ ہمارے دور تک میٹرک اور انٹر میں 75 سے 80 فیصد تک نمبر لینا کمال سمجھا جاتا رہا۔

اسی دور میں گوگل کا خزانہ سیل فون کی شکل میں ہماری ہتھیلی پر آ گیا لیکن گورے پیلے اس علمی سمندر میں سائنس ڈال کر اسے وسعت دیتے رہے لیکن ہم نے اس سمندر سے بھی صرف ننگی مچھلیاں ہی پکڑیں۔

اور آج ماشاءاللہ میٹرک وانٹر میں سو فیصد نمبر لینے کا رواج چل پڑا ہے۔ یہ مذاق موجودہ حکومت نے چلایا ہے جبکہ کرپٹ ترین سابقہ حکومتوں تک میں بھی 95 فیصد سے آگے جانے کا فراڈ کرنے کی کسی میں جرأت نہ ہو سکی۔ سابقہ تاریخ کو مدنظر رکھ کر یہ اب بہت آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ پاکستانی نسل اس سے آگے ماسٹرز تک سوائے بدنامی کے کبھی بھی کچھ مثبت حاصل نہ کر پائے گی۔ کیونکہ ترقی یافتہ اقوام نے ہمیں رٹا، آن لائن اور ورچوئل کے وبال میں پھنسا کر جعلی ریسرچ پیپر اور جعلی نمبروں اور ڈگریوں پر لگا دیا ہے جبکہ وہ خود تعلیم و تحقیق میں کمال کی جانب سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم مستقبل قریب میں موبائل میں کھو کر غارت ہوتے چلے جائیں گے مگر انہوں نے تو اب مصنوعی سورج، بلٹ ٹرین اور جیمز ویب سپیس دوربین تک بنالی ہے۔

ہم اب مستقبل میں کیا بنائیں گے؟ شاید صرف منہ؟ اور وہ بھی کفار کو گالی دینے کے لئے نیز خود کو جنت کی بشارتیں اور ان کے لئے جہنم کی صلواتیں۔ صاحبان قدر دان یہ ہے وہ خواب جو 1974ء میں تعلیم کو قومیاتے وقت بھٹو صاحب کے دماغ میں رہا ہو گا۔ یا پھر ان طاغوتی طاقتوں کے منصوبہ سازوں کے دماغ میں تو ضرور رہا ہو گا جو بھٹو صاحب کو آگے لے کر آئی تھیں۔ یہ ایک الگ حقیقت ہے کہ قائد کے بعد بھٹو سے بڑا رہنماء پاکستان کو نہیں مل سکا اور پھر بھٹو صاحب جس ڈگر پر ملک کو ڈال گئے وہ آج 1100 میں سے 1100 نمبر گیم میں کھو گئی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ملک بھر میں کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ ہم نے کون سی کالک اپنے منہ پر مل لی ہے بلکہ مجھے وہ احمق والدین قابل رحم لگتے ہیں جو اپنے بچوں کے سو فیصد نمبر آنے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا۔۔۔
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔۔۔

"توانائی پیدا کرنے کے سیاسی ڈرامے"

کالم 474 از ڈاکٹر سلطان محمود
اکتوبر 21ء2021

ایک مکالمہ، ایک کہانی، ایک سبق:

ڈاکٹر سلطان محمود: سوکھا ہوا دریائے چناب۔ ہمارے حکمرانوں کی غفلت سے بھارت نے اس دریا پر بیشمار بند باندھ کر ہمارے حصے کا پانی غصب کر لیا ہے۔

خود ساختہ ناقد: 1961 میں ایوب نے سندھ طاس کا منصوبہ پر دستخط کیے۔

ڈاکٹر سلطان محمود: معذرت سے عرض کروں کہ نہ تو یہ سندھ طاس معاہدے کی وجہ سے ہوا اور نہ پانی بیچا گیا۔ یہ محض ایوب کے بعد آنے والی حکومتوں کی نااہلی تھی۔ موجودہ حکومت دوبارہ سے ڈیمز بنا رہی ہے۔

خود ساختہ ناقد: سر ڈیمز پر کام 10 سال سے ہو رہا ہے اور آپ سے زیادہ کون جانتا ہے۔۔۔۔۔

ڈاکٹر سلطان محمود: اگر اجازت ہو تو عرض کروں کہ پی پی اور نون لیگ کے ادوار میں پن بجلی کے منصوبوں پر عملدرآمد بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ پی پی نے اپنے دور میں رینٹل پاور کے پلانٹس

"Quality Points of IK"

Column 475 by Dr Sultan Mahmood

23 Oct 2021

کرونی ڈاکٹر ارشد: ویسے میں نے آپ سے دو سوال کیے آپ نے جواب نہیں دیا بلکہ میری اردو کی کمزوری کو پکڑ لیا۔
ستاروں کی چال سے ملک کی تقدیر کا فیصلہ اور عمران سے محبت کی وجہ ؟

ڈاکٹر سلطان محمود: جادو ٹونہ، ستاروں کی چال، تعویز دھاگہ اور ایسی ہی دیگر خرافات نرا شرک ہیں۔ اور مجھے پرواہ نہیں اگر پیرنی کا نام بھی اس میں آجائے۔

کرونی ڈاکٹر ارشد: Then what make you love Imran, who use name of madinareasat and follow against Muhammad (pbuh) teaching.

ڈاکٹر سلطان محمود: عمران سے محبت نہیں صرف پسندیدگی ہے۔ جب بھی میں تمام پاکستانی سیاسی رہنماؤں پر نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے اپنے اندر سے قائد آعظم، ایوب خان اور عمران خان کُول لگتے ہیں۔ وجہ ابھی زیر تفتیش ہے۔ ممکن ہے انہوں نے پاکستان کو باقی حکمرانوں کی نسبت کم نقصان پہنچایا ہے۔ اگر کل پتہ چل جائے کہ عمران بھی مشرف زرداری اور نواز جیسا ہی تھا تو اس پر بھی تھو۔

کرونی ڈاکٹر ارشد: He is worst than zia in this field using religion for his agenda

ڈاکٹر سلطان محمود: Right but likeness for IK is not merely based on corruption free personality. Another reason is his positive cooperation with the real powers in Pakistan and dragging everyone towards the world's favouritism.

کرونی ڈاکٹر ارشد: Explain your view with examples

ڈاکٹر سلطان محمود: First example is that IK is not exercising foolish attitude, like NS, with the decisive and powerful military regime and avoiding to put the country into further turmoil.

Secondly, IK encashing his soft image prevailing in the western countries in disguise of the front man of the civil martial law in Pakistan. It has soothing affect on the world powers and the nation which can save us from American sanctions.

Third, at the moment we can't import any bugger like Moeen Qureshi or Shaukat Aziz, thus better to

entertain world as well as the nation with a local made cool and confident toy.

Fourth, we were in dire need of the long awaited dauntless and brave mouthpiece of the establishment, who could know nothing about the politics, so we found him with pride.

Fifth, an honest leader was the requirement of a corrupt nation who has no interest abroad but at the same time, should be as naive as anyone who may not touch the establishment-backed cartel of powerful mafias. Thus broken vehicle of the country's economy could be going on with IMF and IFC's by avoiding all the hidden mines spread by Ishaq Dar, for at least ten years more, till 2028. Thus in the mean time establishment could easily change camp from America to China.

Sixth, we needed a person with positive image so that he should be equally acceptable by the inland establishment, globally leading industrialized

nations, youth of the country which shares 65٪ human resources of Pakistan and the cutting edge religious mafia in terms of clergy at large.

Seventh, 52٪ women factor of our population should be happy to see a handsome man, irrespective of the age of their hero.

Eighth, there was hue and cry over bribery and 40 years corruption in the country as well as heavy and louder voices against upper level kick backs; and they were being strengthened day by day. So it was necessary to divert public attention by showing some stop gap arrangements for some ample time, say a decade, thus establishment played their cards successfully and did the needful.

Ninth, the only option against corrupt mafia was the imposition of military rule in the country and so was not preferred option by the establishment. Under a win win policy, civil martial law was the best option. So they did impose.

Tenth, last but not least, establishment desired to broaden political foreplay by establishing new political party, like PMLQ, an amalgamation of goods and bads, so they established PTI.
Tell me honestly who else has such high quality positive points than IK?

"بھارت کے مہا گرو کا گیان، دھیان اور اب بیان"

کالم 476 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 نومبر 2021ء

اوئے عقل کے اندھو بھارتیو! اس پوسٹ میں لگائے گئے بھارت ماتا میں مہنگائی والے کلپ پر انتو شواس نہ کرنا۔ یہ دیش میں چڑھتی مہنگائی کی جڑیں ہمسائے ملک پاکستان سے پھوٹ رہی ہیں جو سب کچھ نشئی عمران کا کیا دھرا ہے اگر یقین نہیں آتا تو پاکستانی میڈیا میں گھسے اپنی ہی سینا پر بھونکنے والوں کو ذرا دھیان سے سن لو جن کو بنی گالا میں جن اور تعویز دھاگے کرنے والی مائی جب ستاتی ہے تو تین بار کے وزیر آعظم اور ہمارے متر اور پوتر شری شریف کی بیماریوں کو بھول کر گالیاں اگلنے پر اتر آتے ہیں۔

بھارتیو! ہمارے باپو سمان شری شریف بیچارے کو اگر لندن میں ڈاکٹر دوائی نہیں دے رہے تو اس بیچارے کا کیا قصور؟ اس ذرا سی بات پر شریمتی پنکی پیرنی کے موکل اسے اٹھانے کیوں چلے جاتے ہیں؟ مورکھو! دیش میں بڑھتی مہنگائی تو ہماری سینا پر اٹھنے والے بھاڑے کی اس مجبوری کے کارن ہے جو اس کے لندن کے شریفوں کو بچانے پر اٹھ رہے ہیں۔ ہمارا باپو جب تک چوتھی مرتبہ پاکستان کا پردھان منتری نہیں بنتا تب تک پاکستان اندر سے کھوکھلا ہو کر ہمارے چرنوں پہ گرنے والا نہیں۔ یہ دوشی عمران ہمارے مہان گرو کو لندن میں بھی چین سے سری پائے نہیں کھانے دے رہا۔

متر واور دیش بگتیو! یہ آئی ایس آئی کی کارستانی ہے کہ جس نے ہمارے راج دلارے شری نواز شریف کی شدید کوششوں سے بنائے گئے مہا ایٹم بم کی چھوٹی چھوٹی ایٹم بمبیاں بنا کر خفیہ طور پر کبوتروں کے ذریعے ہماری خوراک کے گوداموں پر چڑھائی کر رکھی ہے اور ہمیں بھوک سے مارنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اس لئے صبر سے مہنگائی برداشت کر لو اور اسے عمران پر ڈالتے جاؤ یہی لندن والے باپو کی ہدایت بھی ہے۔ ہمیں نشٹ کر کے بھوکا مارنے کے لئے عمران ہی سارے کشٹ کر رہا ہے اور اس نے ہمارے دیش کا سارا پٹرول، غلہ اور پیسہ تعویز دھاگے اور ستاروں کے ذریعے اپنے چار سو کنال کے بنگلے میں چھپا رکھا ہے جہاں تک رسائی ہماری راء اور ہند کی رکھشا کرنے والی کالی چڑیلوں کی ان کالی ٹاکیوں کی وجہ سے نہیں ہو پا رہی جو ڈی چوک سے بنی گالا تک درختوں پر آئی ایس آئی نے باندھ رکھی ہیں۔

پر بھائی بندو! چنتا مت کرو اور ہرے رام ہرے کرشنا جپتے رہو۔ ہم پر ابھی بھگوان کی کرپا باقی ہے جس نے ہمسائیوں ہی کے گھر میں انکے اپنے گھر کے بھیدی آنٹک وادیوں کی طرح پال پوس رکھے ہیں اور انہوں نے پاکستانی عوام میں اپنے بندوں کو سوشل میڈیا پر ہزاروں گروپ بنا کر دے دیئے ہوئے ہیں جو اگر صبح عمران کے نشے کی رٹ لگاتے رہتے ہیں تو رات کے اندھیرے میں بدروحوں کے روپ میں عمران کو گھیر اڈال کر اس کی ایک ایک بات کو اپنے مطلب میں رنگ کر سوشل میڈیا گروپوں میں اتنا شور مچاتے ہیں کہ مودی جی کی بھی ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔ وہ تو برا ہو ہماری کرکٹ ٹیم کا کہ ہم دنیا کی نظر میں آ گئے اور وہ بھی ذلیل ہو کر ورنہ تو ہم نے عمران کی اس سازش کو پنپنے نہیں دینا تھا جو وہ اپنی ٹیم کو میچ جتا جتا کر مہنگائی سے لوگوں کی توجہ ہٹا رہا ہے۔ اور یہ جو نیچے کلپ چل رہا ہے یہ بھی ناشٹک عمران کی طرف سے اس کی پہلی یہودی بیوی کا بنایا ہوا ہے اس پر وشواس

مت کرنا۔ یہ بھی آئی ایس آئی کی کلپنا ہے جو اس نے ہمارے سر منڈھ دی ہے۔ بس یہ مسلے تم بھارتیوں پر ایسے آروپ لگا لگا کر ہی اپنی سمستیا چلا رہے ہیں۔ بس اب تھوڑا ہی سمے باقی ہے کہ جب تم روگیوں کو چتاونی ملنے والی ہے اور وہ یہ کہ بس۔۔۔۔ بس رام ہی بھلی کرے گا۔ ہماری آج کی سوچنا سمات ہوئی۔ اب جب تک عمران پھر سے منہ نہیں کھولتا تب تک ہم اگلے بھاشن کا وداع لیتے ہیں. جے ہند".

"وڈاابا"

کالم 477 از ڈاکٹر سلطان محمود

7 نومبر 2021ء

انجینئر ریاض اپل: اسے نالائق یا نااہل مت سمجھیں۔ پاکستان کو صومالیہ بنانے کا جو ٹارگٹ اسے دیا گیا تھا۔ یہ اسے پورا کرنے کی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔ بہت سی کامیابیاں سمیٹ چکا ہے، اور باقی بھی اگلے دو سالوں میں سمیٹ لے گا۔ لیکن قوم کو اپنی کھوکھلی تقریروں سے خوش بھی کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر سلطان محمود: تو پھر زیادہ بہتر نہیں کہ عمران کو ہٹا کر نواز شریف کو لے آئیں؟

وڈے اباجی، آپ کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ تو پھر وڈاابا بدلنے کی طاقت تو صرف امریکہ کے پاس ہے۔ جواب اس سے بھی آہستہ آہستہ چھنتی جا رہی ہے۔ ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے لیکن دیکھ دیکھ کر کر کیا رہا ہے اس کا پتہ نہیں؟ اگر مملکت "اسلامیہ" پاکستان میں وڈاابا غلط کر رہا ہے تو وہ اللہ اسے نابود کیوں نہیں کر دیتا؟ اللہ پٹواریوں کی آہ و فغاں کیوں نہیں سنتا؟ کیا اللہ وڈے ابے کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دراصل اللہ کو معلوم ہے کہ اس قوم پر رحم نہیں کھانا۔ ہمارا ذاتی خیال ہے کہ جیسا مشرف تھا ویسا ہی نواز تھا۔ ویسے ہی زرداری اور عمران ہیں۔ ہاں

ہمارے دکھوں کی جو واحد وجہ ہے وہ بے ایمان عوام ہے یعنی ہم خود ہیں۔ ہم پاکستانی عمرے اور حج میں پہلے نمبر پر مگر ایمانداری میں 160 نمبر پر کیوں ہیں؟ ہم برے تھے تو تبھی سابقہ دور کے وڈے ابے امریکی ہاتھوں میں کھیلتے رہے۔ انہوں نے پھر برے سے برے لوگوں کو چن چن کر ہمارا حاکم بنایا۔ انہوں نے گونگے بہرے بیوروکریٹ غلام محمد کو کیوں ہمارے سروں پر مسلط کیا؟ کیوں اور کس کی سازش سے قرارداد مقاصد میں قرآن کو لا کر آج تک اس کی بے حرمتی کرتے چلے آرہے ہیں؟ درحقیقت انہیں بے شعور، ان پڑھ اور ایسی احمق عوام مل گئی کہ کسی نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا کہ اگر ہم مذہب کے نام پر الگ ہونا چاہ رہے تھے تو سارے مذہبی لوگ پاکستان بنائے جانے کے مخالف کیوں تھے؟ ملک بنتے ہی کیا احمق عوام نے پوچھا کہ کن طاقتوں نے فوج یعنی سکندر مرزا اور ایوب کو مضبوط کیا؟ کیوں ایوب بار بار لیاقت علی خان سے ملنے جاتے رہے اور بالآخر جنرل گریسی نے انہیں سزا کے طور پر ڈھاکہ ٹرانسفر کر دیا؟ کیا کسی نے بھٹو اور ضیاء کو اقتدار تک لانے والوں کے خلاف تحریک چلائی؟ جو محض امریکی ایجنڈا پورا کر کے چلتے بنے۔ کیا اس سے یہ شک مضبوط نہیں ہوتا کہ امریکہ نے اشتراکیت کو شکست دینے کی خاطر سوویت یونین کو تڑوانے کے لئے جان بوجھ کر ہماری ہندوستان سے علیحدگی کو تقویت فراہم کی؟ گو کہ "کبڑے کو لات" کے مصداق اس وقت کے دس کروڑ اور آج کے 38 کروڑ مسلمانوں کا بھلا ہو گیا کہ ملیچھ ہندو سے جان چھوٹ گئی لیکن یہ تو وہی

معاملہ تھا کہ "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" لیکن حقیقت میں ان پڑھ عوام ہی اصل قصوروار رہی کہ اسے آج بھی سمجھ نہیں سکی کہ ہمارا اصل مسئلہ مذہب اور توہین رسالت نہیں بلکہ غربت اور جہالت ہے جسے 95 فیصد لاچار عوام خود سے حل کرنا چاہے تو شاید حل کر لے لیکن 5 فیصد حاکم بد معاشیہ ہر گز کرنے نہیں دے گی۔ اور پھر ہمیں افسوس اوپر سے اس ستم ظریفی کا ہے کہ پڑھے لکھے انجینئر اپل اور ڈاکٹر سلطان بھی دیگر ان پڑھوں کی طرح پٹواری اور یوتھیا کی لعنت میں تقسیم ہو کر کبھی عمران کی نقلیں اتار کر قعر مذلت میں جاڈوبتے ہیں اور کبھی دیگر سیاستدانوں کی چوریوں پر واویلا کر کے اپنی ہی سلیکشن پر تھوکتے چلے جاتے ہیں اور وڈا ابا اپنے دفتر میں سکون سے بیٹھ کر مسکراتا چلا جاتا ہے کہ یہ گدھے ہیں ہی اسی قابل، لڑنے مرنے دو ان کو اور سکون سے سو سال اور حکومت کرو۔

انسان انسان کو کاٹ رہا ہے۔۔۔

بھیڑیا بیٹھا مسکرا رہا ہے۔۔۔

"تہری زنجیر"

کالم 478 از ڈاکٹر سلطان محمود

11 نومبر 2021ء

کامران خان کی موجودہ تبدیل شدہ گفتگو عوام کے بدلتے ہوئے مزاج کی آئینہ دار ہے۔ اس بحث سے ہٹ کر کہ کامران خان کو کسی لفافے کا کوئی مسئلہ ہے یا اس کی طبیعت میں ٹی وی چینلز کے ساتھ جھگڑوں کی تاریخ ہے، اس کا تجزیہ درست ہے۔

خان صاحب کی ساری ٹیم ہی نالائق اور ویسی ہی مفاد پرست ثابت ہوئی ہے جیسی سابقہ حکومتوں کی رہی ہے بلکہ اب آہستہ آہستہ اسحاق ڈار کی مالی پالیسیاں بہتر نہ سہی لیکن عوامی مفاد میں نظر آتی دکھائی دے رہی ہیں۔ آئی ایم ایف وہی ہے لیکن کارپوریٹ سیکٹر میں پلا ہوا نالائق اسد عمر جس دعوے سے بیٹنگ کرنے آیا تھا وہ معاشی شدت کی پہلی گیند پر ہی کلین بولڈ ہو گیا ہوا ہے اور اسحاق ڈار کے برعکس عوام کو آئی ایم ایف کے بھاری ٹرک تلے دبا کر اب ارسطو بنا پھرتا ہے۔

ہمارے سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں ایوب سے عمران تک ہر حکمران اپنے ساتھ خون چوسنے والی چمگادڑوں جیسا مافیا لے کر آیا۔ پچھلی حکومتوں کی ان خون آشام چمگادڑوں کو تو سب جانتے ہیں لیکن تازہ ترین بھیڑیوں میں شوگر مافیا کے جہانگیر ترین، ٹھیکیدار مافیا کے عبدلرزاق داؤد، فارمیسی مافیا کے ڈاکٹر آصف قاضی جیسے لوگ کمزور عوام کو علی الاعلان چونا لگا گئے ہیں لیکن

ستم بالائے ستم تقریباً تمام سابقہ چور بھی پچھلے دروازے سے موجودہ چوروں کے ساتھ خفیہ طور پر مل گئے ہوئے ہیں۔

اب موجودہ دور حکومت میں عوام اپنے گلے میں پڑی تین زنجیریں کھولنے کی ناکام کوشش میں مرتی چلی جارہی ہے۔ پہلی زنجیر آئی ایم ایف کی، دوسری کورونا اور تیسری نالائق پالیسی سازوں کی۔ ان تین عفریتوں میں سے دو کا ذمہ دار کپتان ہے۔ اگر ملک کا انتظام بغیر آئی ایم ایف کے نہیں چلنا تھا تو کم از کم ڈالر کھلا نہ چھوڑا جاتا تاکہ عوام مہنگائی کے جن کے دونوں پنجوں میں گرفتار ہو کر یوں نہ پھڑ پھڑا رہی ہوتی۔ دیگرے اگر عمران نے خوشامدیوں ہی کو وزیر مشیر بنانا تھا اور فوج ہی سے ڈکٹیشن لینی تھی تو سینے پر ہاتھ مار کر اپنی دو سو ماہرین کی ٹیم کا پرچار نہ کرتا۔ مان لیا کہ کورونا کی عفریت عمران کی لائی ہوئی نہیں لیکن اپنے ہاتھوں سے لائی گئی دیگر دو بد قسمتیوں کے ساتھ اس کا ملنا گویا عوام کے لئے کلسٹر بم سی تباہی کا باعث بن گیا ہوا ہے۔

ہم آج بھی عمران کی ذاتی ایمانداری اور لالچی نہ ہونے کے قائل ہیں لیکن کیا انہیں محض وزیر اعظم ہی بننے کا شوق تھا اور ارد گرد مراد سعید جیسے طبلچی اکٹھے کر لینے کی مجبوری تھی یا ان کا یہ دیکھنا بھی فرض بنتا تھا کہ اسٹیبلشمنٹ جو لوگ اس کے ساتھ جوڑ رہی ہے وہ کہیں ایماندار کشتی کے ساتھ بندھے بھاری بھر کم بے ایمان پتھر تو نہیں جو عالمی و قومی طوفانوں میں فوج کی بھرپور حمایت کے باوجود طلاطم خیز ہچکولوں سے نوے فیصد عوام کی پسلیاں توڑے دے رہے ہیں؟ میرے کپتان یاد رکھیں بازار حسن کی نائقہ خود جسم فروشی نہیں کرتی لیکن چونکہ جسم فروشوں کا انتظام و انصرام اور چناؤ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے اسے خود بھی اس برے دھندے سے بری الزمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"غریب کو تو مرنا ہی مرنا ہے"

کالم 479 از ڈاکٹر سلطان محمود

12 نومبر 2021ء

کاش سمجھدار لوگ مہنگائی کی موجودہ لہر میں تصویر کا یہ رخ دیکھ کر تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ہو سکتا ہے کوتاہ نظر اسے سیاست سے جوڑ کر عمران یا نواز شریف پر دل کا بغض نکال لیں اور احمقوں کی طرح دل کا بوجھ ہلکا کر کے پھر سے سو جائیں۔ لیکن دنیا اب اپنی ڈگر سے نہیں ہٹنے والی۔ ڈالر اور پٹرول پاکستان میں دو سو روپے سے اوپر جانے والے ہیں اور یہی ٹرینڈ دنیا بھر میں چلے گا اور اس حقیقت کو چین اور امریکہ جان بوجھ کر ایک خاص سمت میں لے جا رہے ہیں۔ تاکہ ڈیجیٹل کرنسی لاگو کرنے کا خواب جلد تعبیر پکڑے۔ ہم جیسے دور کی کمزور نظر والے لوگ آج تک کورونا کو بھی اللہ کی بھیجی ہوئی وباء سمجھتے رہے ہیں جب کہ یہ ایک جنگی ہتھیار ہے۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف بھی نہایت جلد امریکہ کے ہاتھ سے نکلنے والے ہیں سو وہ پاور گیم کے اندر رہنے کی خاطر چین و امریکہ دونوں کے مکمل ساتھ ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اب امریکہ کو بیرونی پٹرول کی بھی ضرورت نہیں۔ چین کا مقابلہ وہ کر نہیں سکتا لہٰذا قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا ہے۔ مگر یہ حقیقت شاید اکثریت نہ جاننا چاہتی ہو کہ چین و امریکہ ایک ہی سمت میں بڑھ رہے ہیں لیکن متضاد طریقوں سے۔

کاش اس حقیقت سے بھی "بزرجمہر" واقف ہوتے کہ پاکستان چینی کشتی میں بیٹھ چکا ہے اور عنقریب ڈیجیٹل کرنسی کا حصہ بننے جارہا ہے۔ مگر خالی ڈالر کو پکڑ کر مہنگائی کو کوسنے والوں کو کیا خبر کہ دنیا کی سیاست ایک خوفناک موڑ مڑ چکی ہے جس میں غریب کو مرنا ہی مرنا ہے۔ ابھی ہم نے قحط بھی دیکھنے ہیں اور لمبے لمبے جراثیمی حملے بھی نیز دنیا کی مجموعی معیشت بھی ڈوبتے دیکھنی ہے جو دولت کی تقسیم کے مروج نظام میں دو چار ارب آبادی کو ہی سنبھال سکتی ہے آٹھ ارب کو نہیں۔

پاکستان پر تو عمران کی "حکومت" ہے تو کیا یورپ، بھارت اور دیگر معاشی بحران سے گزرنے والوں پر بھی عمران ہی حکومت کر رہا ہے جہاں اب ان کا بھی کاسۂ گدائی باہر نکل آیا ہے؟

میرے پاکستانیوں کب دنیا کو سمجھو گے؟

"دسمبر اداس کیوں کرتا ہے"

کالم480ازڈاکٹر سلطان محمود----------

کالم481ازڈاکٹر سلطان محمود

Govt. of Pakistan is waiting for what. Our enemies, taking full advantage of the situation caused by Sialkot incident, have geared up their efforts in disrupting Pakistan world over.

Government of Pakistan should take immediate steps to minimize the damage; following steps are needed to be taken without wasting any time further:

1 More than adequate compensation should be paid to the family of the deceased.

2 A parliamentary delegation lead by a Minister should be sent to Sri Lanka to commiserate with the family of the deceased.

3 This is open and shut case of homicide and particularly lynching. Most of the culprits have been

identified; few have proudly confessed their crime. Therefore there is no reason why rapid justice cannot be provided.

4 It is imperative for the reputation of our country that as early as possible, exemplary punishment should be given to the perpetrators of this heinous crime, and that too in public.

Most importantly, those who raise their voice in favor of the criminals, direct, indirect or tacit, and no matter who they are, should be taken to task with full force.

I will add that the current and future governments must work collectively to nuteralze and minimize/eliminate religious intolerance and militancy. The society also needs to play its part in this effort. All suggested steps are justifiable but who will bell the cat?

1. Sialkot Misery

Column 481

By Dr Sultan Mahmood

6th December 21

Government of Pakistan is waiting for what? Our enemies, taking full advantage of the situation caused by Sialkot incident, have geared up their efforts in ill-reputing Pakistan world over. Government of Pakistan should take immediate steps to minimize the damage. Following steps are needed to be taken without wasting any time further:

1) More than adequate compensation should be paid to the family of the deceased.

2) A parliamentary delegation lead by a Minister should be sent to Siri Lanka to commiserate with the family of the deceased.

3) This is open and shut case of homicide and particularly lynching. Most of the culprits have been identified, few have proudly confessed their crime. Therefore there is no reason why rapid justice cannot be provided.

4) It is imperative for the reputation of our country, that as early as possible, exemplary punishment should be given to the perpetrators of this heinous crime, and that too in public.
5) Most importantly, those who raise their voice in favor of the criminals, direct, indirect or tacit, and no matter who they are, should be taken to task with full force.
6) Current and future governments must work collectively to neutralize and minimize/ eliminate religious intolerance and militancy. The society also needs to play its part in this effort.

All suggested steps are practicable but who will bell the cat especially when government is suffering from the height of bad governance?

"آبادی میں کمی کے مددگار عناصر"

کالم 482 از ڈاکٹر سلطان محمود

دسمبر 6ء2021

امریکن جرنل آف میڈیسن میں چھپنے والی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں کینسر اور ذیابیطس سے مرنے والے لوگوں کے بعد مرنے کی تیسری بڑی وجہ میڈیکل ڈاکٹرز کا ناقص طریقہ علاج ہے جس کے باعث 15 ہزار اموات سالانہ ہو رہی ہیں۔ اگر دنیا کے بیس امیر اور ترقی یافتہ ترین ممالک میں پہلے دوسرے نمبر والے ملک میں یہ حالات ہیں تو پاکستان کا اندازہ خود لگالیں جہاں غربت و جہالت کے باعث صرف 15 فیصد مریض منظور شدہ میڈیکل ڈگری والے ڈاکٹروں سے رجوع کرتے ہیں جو بیچارے خود اپنے ناقص علم سے علاج کرنے کی بجائے فارما انڈسٹری کے سہارے چلتے ہیں، 35 فیصد عطائیوں سے علاج کراتے ہیں جنہوں نے ریاست کی کمزور رٹ کے بل پر دکانیں کھول رکھی ہیں اور باقی کی آدھی آبادی کو تو صحت کی سہولیات ہی میسر نہیں۔

اس نقطہء نظر سے دیکھیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ ناقص غذا و پانی، ماحول کی آلودگی اور حادثات کے بعد چوتھے نمبر پر ہمارا طبی نظام ملک میں آبادی کم رکھنے میں بہت مدد کر رہا ہے لیکن شاباش ہمیں کہ ہم پھر بھی 2 فیصد سالانہ کے حساب آبادی بڑھانے میں کامیاب رہے ہیں

ڈاکٹر سلطان محمود

"کیا پاکستان چین جیسا بن سکتا ہے؟"

کالم 483 از ڈاکٹر سلطان محمود

17 دسمبر 2021ء

ماشاءاللہ۔ دریائے جہلم پر رسول بیراج کے مقام پر جلالپور نہر کی تعمیر کا ابتدائی کام زور شور سے جاری ہے۔ خوشاب تک 116 کلومیٹر طویل یہ نہر انشاءاللہ 2026ء تک 170,000 ایکڑ بنجر رقبہ سیراب کرے گی اور نہ صرف مذکورہ علاقہ ملک کے غریب عوام کو غذائی تحفظ فراہم کرے گا بلکہ تقریباً ایک کروڑ ایسے لوگ خود اپنے علاقے کے ترقی کے پہیئے کو چلانے کے قابل ہو جائیں گے جو روزگار کے سلسلے میں اس وقت بڑے شہروں پر بوجھ بنے کھڑے ہیں۔

مزید برآں موٹروے پر للہ انٹر چینج سے اسی بیراج کے رستے ایک بہترین سڑک پر بھی کام شروع ہو گیا ہے جو لگ بھگ 300 کلومیٹر طوالت کے بعد بیشمار اندرونی قصبات کو جہلم کے مقام پر جی ٹی روڈ سے منسلک کر دے گی۔

کافی زیادہ امید ہے کہ اس نہر اور سڑک کی تعمیر سے وہ والا نظر انداز علاقہ بھی ملکی ترقی کی دوڑ میں شامل ہو جائے گا جس کا ایوب کے وقت میں 1960ء میں دار لخلافہ بنانے کے سلسلے میں سروے بھی ہوا لیکن پھر اسلام آباد کا علاقہ منتخب کر لیا گیا۔ اس علاقہ میں زمینوں کی قیمت صرف ان دو پراجیکٹس کے شروع ہو جانے کے باعث آج تک بیس گنا سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔

اگر اربوں روپے کے بیرونی قرض کو غیر ممالک میں اپنے ذاتی اکاؤنٹس میں چھپانے کی بجائے اپنی ہی دھرتی پر لگا دیا جائے تو پھر ملک کیوں ترقی نہ کرے؟ یہ بات غلام ذہن اور متعصب عوام کو سمجھ آ جائے تو وہ کبھی کرپٹ سیاستدانوں کو ووٹ نہ دے اور پاکستان بھی چین جیسی ترقی کر جائے جو غیر اعلانیہ اسلامی ماڈل اپنا کر معاشی ترقی کو ترجیح دینے کے بعد اب مغربی جمہوریت والے سرمایہ دارانہ نظام چلانے والے دنیا کے امیر ترین ممالک کو غلام بنانے کے لئے پر تول رہا ہے۔

ہم بھی اپنی ذات کی نفی کرنا سیکھ جائیں اور تمام قوتوں کا رخ ملکی ترقی کی جانب موڑ دیں تو ہم بھی چین جیسے بن سکتے ہیں لیکن اس رستے میں کرپشن کرنے والے کی گدی میں چینی طرز پر ہی گولی مار کر لاش لواحقین کے حوالے کرنے سے قبل اس گولی کی قیمت بھی وصول کرنی پڑتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ گولی چلانے والی بندوق تو ہمارے پاس موجود ہے لیکن اسے چلانے والا عمر بن خطاب نہیں۔

Comment by Rotarian Mohammad saleem

Dr Sultan , you shouldn't feel so hopeless and helpless though you're partly right that almost all of our so called leaders don't have an iota of self denial which you describe as ,"Upneezaatkeenafeekarnaa"

Only one Imran Khan has some level of self denial but his personal social and academic background plus consequent social orientation has not enabled him to form a good team apart from

the political constraints of this pseudo democracy based on colonial act of 1935. However things can change if we replace this by presidential system of French or Turkish type through referendum after due awareness campaign which is bound to happen one day

"خچرے مہاجر"

کالم 484 از ڈاکٹر سلطان محمود

19 دسمبر 2021ء

آج کی دہشت گردی کی وجہ اور گڑھ مغرب ہے۔ پہلے پہل یہ دنیا کی دولت لوٹنے کے لئے مختلف حیلوں بہانوں سے امیر مگر غیر ترقی یافتہ و غیر منظم ممالک میں داخل ہوتے ہیں پھر ان ممالک کو لوٹ کھسوٹ کر بھکاری بنا دیتے ہیں، ازاں بعد انہیں مختلف جنگی ہتھیاروں سے تہہ و بالا بھی کر دیتے ہیں اور پھر چند مہاجرین کو پناہ دیکر احسان بھی جتلاتے ہیں۔ بلکہ کوشش کر کے ان لٹیروں کو اپنے ہاں بسانے کی زیادہ سہولتیں دیتے ہیں جو اپنے آبائی اوطان سے دولت لوٹ کر لانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ انسانی طمع کو صرف قبر کی مٹی ہی ختم کر سکتی ہے۔

ہم نے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں رہ کر دیکھا ہے کہ وہاں غریب ممالک کے بیشمار لوگ بھی درجہ دوم کے روپ میں تادم مرگ بسے رہنے کو تیار رہتے ہیں۔ لیکن کون بھلا؟ جو یا تو اپنے آبائی وطن میں تھے ہی دو نمبر اور بد معاشی و طالع آزمائی کے خوگر اور مختلف جعلی کاغذات وغیرہ کے ذریعے ان چور امیر ممالک کو "چوراں نوں مور" کے مصداق جا چکے یا پھر وہ لکھے پڑھے جنہوں نے مختلف جائز ناجائز حیلوں بہانوں یا طالع آزمائی سے وظائف و مزدوری حاصل کر کے آبائی وطن چھوڑے اور ان امیر ممالک کا رس چوسنا شروع کر دیا۔ اور یا پھر وہ لوگ جو غلام بن کر لائے گئے۔

جب ہم نیویارک میں قیام پذیر تھے، کم و بیش اسی طالع آزما کیٹیگری میں، تو ہمارا ماننا تھا کہ دنیا بھر کے طالع آزماؤں کا مسکن یہی شہر ہے چاہے وہ تارکین وطن تاجر ہوں، معمولی سیاسی ورکر ہوں یا جرائم پیشہ۔ یہی حال انیس بیس کے فرق سے ہمیں لندن، پیرس، کوپن ہیگن، برلن، ایمسٹرڈیم، مینن، وارسا، استنبول، میڈرڈ، بوڈاپسٹ، پراگ، لیما، بیجنگ، دبئی، ابوظہبی، کھٹمنڈو، دہلی اور اسلام آباد وغیرہ میں بھی دیکھنے کو ملا۔ قصہ مختصر دنیا کے کونے کونے سے اپنی محرومیوں سے گھبرا کر غیر قانونی ہتھکنڈوں کو بھی تسلیم کرنے والے "خچرے" چھوٹے علاقوں سے ہمیشہ بااثر علاقوں کی جانب ہجرت کرتے نظر آئے ہیں ماسوائے معدودے چند ہزاروں کے جو جان کی امان میں سچی ہجرت کر گئے ہوں گے۔

بقول افتخار عارف:

کہاں کے نام و نسب، علم کیا فضیلت کیا۔۔۔!!

جہان رزق میں توقیر اہل حاجت کیا۔۔۔!!

شکم کی آگ لئے پھر رہی ہے شہر بہ شہر۔۔۔!!

سگ زمانہ ہیں ہم کیا ہماری ہجرت کیا۔۔۔۔!!

"جماعت اسلامی سیاست سے نکلے"

کالم 485 از ڈاکٹر سلطان محمود

26 دسمبر 2021ء

اسٹیبلشمنٹ کی مدد سے پانچ برس قبل جماعت اسلامی کی اس مہم کا فائدہ بھی عمران کو پہنچایا گیا جس سے جماعت بھی لاعلم رہی کہ اسٹیبلشمنٹ نے اپنے خفیہ مقاصد کے لئے ایک سیاسی جماعت ہی کو دیگر سیاستدانوں کے خلاف استعمال کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب جماعت اپنی دور نااندیشی کے سبب ملک کے سیاسی نظام سے خارج ہو گئی ہے۔ سیاست سے زیادہ جماعت نے مذہب کی ترویج کی ہے اور کسی حد تک حب الوطنی کو فروغ دینے میں مدد کی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ سید مودودی کے نکتہ نظر کو شکست فاش ہو گئی ہے اور ڈاکٹر اسرار، امین احسن اصلاحی، عبالرحیم اشرف و دیگر ان کا موقف جیتتا نظر آ رہا ہے۔ تمام سیاسی ادوار میں اسٹیبلشمنٹ نے جماعت اسلامی کا کامیاب استعمال کر کے فوجی اقتدار اور کرپٹ سیاستدانوں کے اقتدار کے رستے صاف کئے۔ کیا اس موضوع پر جماعت کے اکابرین نے کبھی سوچا؟ ہمارا گمان ہے کہ ضرور سوچا ہو گا لیکن اب اسٹیبلشمنٹ اس کارآمد ہتھیار یعنی جماعت اسلامی کو کردار سے کبھی بھی روگردانی نہیں کرنے دے گی۔ جماعت نے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی مگر ایوب کا رستہ ہموار ہو گیا۔ بھٹو کے خلاف تحریک چلائی، جس کا مجرم میں بھی ہوں، مگر سی آئی اے کے رضا شاہ پہلوی سے زیادہ مضبوط ایجنٹ ضیاء الحق کے لئے رستہ صاف کر دیا، بینظیر کے خلاف مہم جوئی کا فائدہ نواز شریف کو پہنچا اور اب نواز رداری کے خلاف مہم عمران کے حق میں نکل آئی ہے۔ کہاں گئی جماعت خود جو آج اپنے

مضبوط گڑھ کراچی اور کے پی سے بھی فارغ ہو بیٹھی ہے؟ سوال ابھرتا ہے کہ کیا جماعت نے کبھی اسٹیبلشمنٹ کے خلاف بھی مہم جوئی کی ہے؟ مشرقی پاکستان میں فوج کی مدد کرنے کے لئے مکتی باہنی کے خلاف الشمس اور البدر تنظیمیں بنائیں نتیجے میں آدھا ملک جدا ہو گیا۔ گو علیحدگی میں ان کا دوش نہیں مگر مدد تو فوج ہی کی کی ناں؟

اب دوسری جانب دیکھیں تو سماجی و مذہبی سطح پر جماعت کامیاب نظر آتی ہے۔ جماعت نہ ہوتی تو شاید 1956ء میں قرار دار مقاصد بھی پاس نہ ہوتی۔ تعلیمی اداروں میں لادینیت نہ رکتی، نجی سطح پر مدرسوں کے بعد سب سے بڑا سماجی و تعلیمی نیٹ ورک جماعت اسلامی ہی کا ہے، فوج کے اندر نیز 1990ء تک نوکر شاہی میں بھی جماعت کا اثر و نفوذ سب سے زیادہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ریاست کبھی بھی لادینیت کی جانب نہیں جھکی۔ ملک میں مذہبی عناصر کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم ایم ایم اے بھی جماعت کا مرہون منت رہا۔

"مسٹر ون پرسنٹ"

کالم 486 از ڈاکٹر سلطان محمود

2 جنوری 2022ء

میں اللہ کے کرم سے ملک عزیز کے اس متمول گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جنہیں وراثت میں قرضہ اور دعائیں ہی ملی تھیں۔ شاید میرے چند بزرگوں کی دعائیں مجھے روز اول ہی لگ گئیں کہ جب میرے رشتہ داروں نے میرے والدین کے ذمے واجب الادا قرضہ معاف کر دیا۔ حالت تو لڑکپن سے آج تک یہی رہی ہے کہ:

یونہی چراغ لالہ روشن نہیں ہوا۔۔

جلتی رہی ہے شبنم شاداب رات بھر۔۔۔

اگر واقف حال لوگوں سے جان کی امان پاؤں تو عرض کر دوں کہ مجھے کبھی بھی مندرجہ ذیل گروہوں سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں رہی بلکہ بہت حد تک بے زاری و الرجی رہی ہے:

1۔ ریاست پاکستان، اسکی مسلح افواج اور ملکی اداروں کے مخالفین نیز اس ملک کا نمک کھا کر اسی کے خلاف بولنے والے اور اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اپنی دھرتی چھوڑ جانے والے۔

2۔ مذہبی گروہ اور ان کے ماننے والے خصوصاً کسی بھی فرقے پر یقین رکھنے والے یا عاملین نیز درگاہوں کے پجاری اور اسلام کے مقدس ناموں کو اپنے کاروبار اور ذاتی نمود و نمائش میں لانے والے لوگ۔

3۔ اپنے خون، خاندان، علاقے یا زبان پر اترانے والے۔

4۔ قول و فعل میں تضاد والے یعنی ذاتی طور پر پابندی صوم و صلوات لیکن سوشل میڈیا پر لبرل بننے والے، وغیرہ۔

5۔ سیاسی گروہ اور سیاسی پارٹیوں کے مستحکم حمایتی۔

6۔ قلمی و ادبی میدان میں سرقہ کرنے والے۔

7۔ علمیت کا رعب جمانے والے ڈگری ہولڈرز نیز جعلی تعلیمی اور توصیفی اسناد رکھنے والے خصوصاً کسی سفارش، رقم یا جنسیت کے خوگر۔

8۔ دوسروں کے حقوق سلب کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرنے والے امراء۔

9۔ جھوٹ بول کر کاروبار چمکانے والے ٹھیکیدار یعنی پراپرٹی ڈیلرز، زرعی پیداوار میں کمی کرنے والے بلڈرز اور برانڈڈ مال بشمول فاسٹ فوڈز فروخت کرنے والے، اور ضرورت سے زائد جائیداد بنانے والے اور پھر کرائے پر دینے والے، وغیرہ۔

10۔ فی زمانہ غلط ملط حرکات و سکیمیں چلانے والے گروہ۔

11۔ ریاست پاکستان سے فراڈ کرنے کی پاداش میں نکالے جانے ملازمین بشمول نجی اداروں کے بھی ایسے ہی لوگ خصوصاً قرض معاف کرانے والے۔

12۔ ہر طرح کے مافیاز یا کارٹلز بنانے والے اور ان کے ساتھ شمولیت کے خواہشمند۔

13۔ جعلی دوائیاں، غذائی ملاوٹ اور اسی نوع کی دیگر حرکات کرنے والے گروہ۔

14۔ پاکستانی وکالت، پولیس، نظام عدل، انشورنس، بنکس، سول سروس (یعنی نوکر شاہی یا بیوروکریسی یا اسٹیبلشمنٹ) والے ملازمین، اکاؤنٹس اور آڈٹ والے وہ لوگ جو ٹیکس بچانے کی تراکیب بتاتے ہوں، شوبز (محدود معنوں میں میڈیا بھی)، زرد صحافت کرنے والے یا بالفاظ دیگر سو فیصد حرام کمانے والے۔

15۔ شاعر، ناول و افسانہ نگار، بلا تحقیق تاریخ دان، بیرونی کلچر کا مبلغ، وغیرہ۔

16۔ جاگیر دار، سرمایہ دار، دکھاوے کے صنعتکار، جعلی این جی اوز چلانے والے اور مسجدوں وغیرہ کے لئے چندہ مانگنے والے (ہسپتال اور سکول کے لئے نہیں)، وغیرہ۔

17۔ خوشامدی، چغل خور، جھوٹا، راشی، نالائق، احمق، کم فہم، مفاد پرست، موقع پرست، سازشی، موٹا، رشتہ دار، شدید پردہ دار، شدید مذہبی، شدید سیاسی، بدظن، بیزار، مایوس، بیمار، شکائتی، نقال، جھگڑالو، ٹھیٹھ پینڈو، کامن سینس سے عاری، مغرور، حکیم، کھٹی چیز، عرس، مزار، نجومی، پتنگ باز،

جواری، سگریٹ نوش، نشہ باز، جادو گر، تعویز، زود رنج، ذود کلام، پرائیویٹ تعلیمی ادارہ، بیرون ملک ملازمت، بسیار خور، ادھار، وغیرہ وغیرہ۔

اگر مندرجہ بالا سبھی کو معاشرے سے خذف کر دیں تو یقیناً 25 کروڑ پاکستانیوں میں سے 25 ہزار بھی شاید نہ نکلیں۔ میرے لئے یہی ایک فیصد کافی ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ شعبوں سے میری ماضی میں وابستگی بھی رہی ہو جنہیں میں نے موقع پاتے ہی چھوڑ بھی دیا ہو لیکن وہ سبھی مجھے شاید آج بھی برے الفاظ سے یاد کرتے ہوں تو دعا کرتا ہوں کہ ان کے میرے بارے برے الفاظ میرا کفارہ بن جائیں۔ میں کافی عرصے سے سوشل میڈیا سے وابستہ ہوں تو اللہ سے مسلسل ہدایت کا طالب رہتا ہوں اور ابھی بھی انہی 25 ہزار پاکستانیوں سے جڑے رہنا چاہتا ہوں کیونکہ میں انہیں اپنا خاندان سمجھتا ہوں۔

"انقلاب کی دہلیز پر"

کالم 487 از ڈاکٹر سلطان محمود

16 جنوری 2022ء

آئی ایم ایف کا مطالبہ ہے کہ تمام نوکر شاہی کے اثاثہ جات کا ریکارڈ بنا کر سٹیٹ بنک سے شیئر کیا جائے مگر حکومت اس فہرست سے فوج اور عدلیہ کو شامل نہیں کرنا چاہتی۔

اگر افواج اور عدلیہ کو امیونٹی مل گئی تو اس مطالبے کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر نہ ملی تو ایٹم بم گیا ہاتھ سے۔ اسی لئے قرضے کو ایک لعنت گردانا گیا ہے۔ جو پاکستان کے گلے میں ایوب کی اٹھان کا توڑ کرنے کے لئے بھٹو کی شکل میں ڈالی گئی۔

لیکن بھٹو کو اس بات کا ادراک تھا کہ مستقبل میں یہ قرضے بڑھیں گے نیز اس کے اپنے دیگر دو کام بھی ملک کی جڑوں میں بیٹھیں گے مثلاً صنعت اور تعلیم کو قومیانے والے، لہذا اس نے antidote کے طور پر آئین، ایٹم بم اور بیرون ملک ملازمتوں کا بھی بندوبست کر دیا۔

بعد کے تمام حکمرانوں کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا گیا تاکہ اصل عوامی رہنمائی میسر نہ آ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سوائے فوج کے تمام ادارے کمزور ہو گئے ہیں بلکہ سب سے زیادہ کمزور ادارہ پارلیمنٹ ہے۔

پاکستان کو شاید باہر سے ختم نہ کیا جا سکتا تھا لہذا اس کے سٹیٹ بنک اور اب اسٹیبلشمنٹ کے گروی رکھنے کے مطالبے کے بعد فوج کے گرد مالی مسائل کا گھیر اڈال کر اسے توڑنے کی کوشش اندر سے کی جا رہی ہے۔ اگر بات ایسے ہی بڑھتی گئی تو پھر ایٹمی ہتھیاروں کی تلفی تک بھی جا سکتی ہے۔ خاکم بدہن پھر ہمیں شام و عراق بھی بننا پڑ سکتا ہے۔

لیکن کیا فوج ایسا ہونے دے گی؟ یقیناً نہیں۔ چاہے ملک میں صدارتی آمریت ہی نہ لانی پڑے۔ کیونکہ فوج کے پسندیدہ سیاستدان تو یکے بعد دیگرے ملک لوٹ کر بھاگتے رہے انہیں معقول حصہ دیکر۔

اصل مایوسی والی بات یہ ہے کہ عوام خود اتنی جاہل اور کرپٹ ہے کہ بہ امر مجبوری کوئی مرد آہن فوج کے اندر ہی سے لانا پڑے گا۔

ادھر عالمی حالات بھی کمزور ممالک کے حق میں نہ کبھی رہے ہیں اور آئندہ کبھی ہوں گے۔ لہذا ملک جو امریکی جھولی سے نکل کر چینی چھتری تلے آنا چاہتا ہے وہ بھی آخری حل نہیں اور نہ ہی فوری طور پر ممکن۔

انقلاب ہی اب واحد راستہ رہ گیا ہے لیکن بلی کے گلے میں یہ گھنٹی تو کم از کم کوئی سیاستدان باندھنے کے قابل ہر گز نہیں۔

"رلا دینے والے چند پاکستانی ڈرامے"

کالم 488 از ڈاکٹر سلطان محمود

19 جنوری 2022ء

تاریخ پاکستان کے مندرجہ ذیل ڈراموں نے ہمارے بزرگوں سمیت ہر محب وطن کو آٹھ آٹھ آنسو رلا دیا:

- آزادی سے قبل تمام مسلمان جاگیرداروں کا مسلم لیگ میں شامل ہو جانا
- جغرافیائی طور پر دو الگ خطوں کا ایک ملک بن جانا۔
- آبادی کی بنیاد پر دونوں منقسم ممالک میں فوج اور اسلحے کی تقسیم۔
- جنرل گریسی کا چیف آف آرمی بننا۔
- سرمایہ داروں کا نومولود مملکت کو چندہ فراہم کرنا اور بدلے میں اہم وزارتیں لینا
- انتہائی کمزور اور لاچار ننھی منی مملکت خداداد کو مٹا دینے پر قادر ہندوستانی فوج کو پاکستان پر حملے سے باز رہنے کا نہرو کا حکم۔
- قائداعظم کی زیارت میں وفات۔
- لیاقت علی خان کا قتل۔
- کالا باغ ڈیم کو سیاست سے جوڑنا۔
- تمام سیاسی وزرائے اعظام کو باری باری رخصت کرنا۔
- فاطمہ جناح کی زبان بندی۔
- قرارداد مقاصد۔

- جنرل سکندر مرزا کا مارشل لاء۔
- جنرل ایوب خان کا مارشل لاء۔
- سیاستدانوں پر ایبڈو لگنا۔
- مجیب الرحمٰن کو بنگلہ بندو بنانے کی تیاریاں۔
- فاطمہ جناح کا انتخاب ہارنا۔
- پیپلز پارٹی کی ولادت۔
- ایوب خان کا فوجیوں کو جاگیریں عطا کر کے کاروبار کے مواقع دینا
- بھٹو کا سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی قرارداد پھاڑنا۔
- بنگلہ دیش بننا۔
- مشرقی پاکستان کی علحدگی کو بھٹو کے سر تھوپنا۔
- سیاستدان کا سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننا۔
- بھٹو کا تعلیم اور صنعت کو قومیانا۔
- قومی اتحاد کی تحریک نظام مصطفیٰ۔
- ضیاء الحق کا مارشل لاء
- بھٹو کا عدالتی قتل۔
- "شیطان" کی مجلس شوریٰ۔
- غیر جماعتیں انتخابات۔
- نون لیگ کی ولادت۔
- نواز شریف کا بار بار وزیر آعظم بننا۔
- ایم کیو ایم کی ولادت۔
- سوویت یونین کا پاکستان کے ہاتھوں ٹوٹنا۔
- سانحہ اوجھڑی کیمپ۔

- معین قریشی اور شوکت عزیز کی درآمد۔
- زرداری کے تعاون سے بینظیر کا قتل۔
- جنرل ضیاء الدین بٹ کا چیف آف آرمی سٹاف بننا۔
- نواز شریف کی سعودیہ برامد اور پھر درامد۔
- بھٹو، بینظیر، زرداری، نواز شریف، مشرف اور عمران کے دلوں میں غریب کا درد۔
- افغانستان کی آزادی۔

"انسانیت"

کالم 489 از ڈاکٹر سلطان محمود

28 جنوری 2022ء

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ کل تک اڑنے پھدکنے والا ہوائی جہاز سکریپ ہوتے وقت اپنے پاؤں پر بھی نہیں چل سکتا اور کسی ٹرک کے کاندھے پر لاد کر توڑنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے بارے عالمی سچائی ہے اسے کسی بھی جگہ رکھ کر سوچیں تو مناسب ہی لگے گی۔ یہی ہے ہماری محدود زندگی کا المیہ بھی۔ البتہ اسی حقیقت کو جب انسانیت کی بجائے سیاست و مذہب کے خانے میں رکھ کر دیکھیں گے تو محسوس ہو گا کہ ہم نے ایک ہی نظریئے پر ڈٹے رہ کر کوئی کامیابی والا کارنامہ سر انجام نہیں دیا اور نہ کبھی مخالف ہوا کے جھونکے کا سامنا کرنے کی ہی ہمت کی ہے بلکہ الٹا ہم نے کسی دوسرے کے مفاد پرستی والے نظریئے کے گرداب میں گھوم گھوم کر نیز ایک سرنگ سے باہر کے محدود نظارے کرتے کرتے اپنی قیمتی زندگی ضائع کر دی ہے۔ اس لئے انسانیت کی نہ تو کوئی مذہبی فرقہ واریت ہے اور نہ سیاسی گروہ بندی۔

"مقدس گائیاں"

کالم 490 از ڈاکٹر سلطان محمود

یکم فروری 2022ء

اگر چرچل نے دوسری جنگ عظیم کے بعد عدالتی انصاف کو برطانیہ کی حفاظت کی وجہ قرار دیا تھا تو پاکستانی معاشرے کی تباہی کے ذمہ دار ایسے فیصلے کر کے پاکستانی جج ہی کہلائے جائیں گے۔ اب تو ججوں نے خود ثابت کر دیا ہے کہ ان کے فائز عیسیٰ جیسے متعفن فیصلے جیسے عدالتی نظام ہی کی وجہ سے پاکستانی عدلیہ دنیا کے گھٹیا ترین انصاف کی فہرست میں بلند ترین مقام کیوں رکھتی ہے۔ ہمارا یہ المیہ اس وجہ سے بھی ہے کہ جج کے عہدے پر فائز ہونے کا معیار ہی غلط ہے یعنی اسی گھٹیا اور کرپٹ عدالتی نظام کے پروردہ مختلف کورسز اور تربیتی مراحل سے گزرنے والے اسی وکیل کو جج بنایا جاتا ہے جس نے دوران وکالت کم از کم پندرہ کیس جیتے ہوں چاہے وہ سبھی مسلسل جھوٹ کا سہارا لے کر جیتے گئے ہوں یا اس میں رشوت و سیاست کا عمل دخل بھی رہا ہو۔

قصہ مختصر، ہماری عدلیہ ملک پر مسلط قلعہ بند قلیل اشرافیہ ہی کا حصہ ہے اور دن بدن اپنا قلعہ اندر سے مضبوط بناتی چلی جا رہی ہے۔ لہذا سارے کارہائے مملکت چھوڑ کر سب سے پہلے منصف "انسانوں" کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موجودہ ججوں کی جگہ تعینات کیا جائے۔ چونکہ ایسا ہونا ناممکن سا لگتا ہے اس لئے اولاً کم از کم ان خود ساختہ مقدس گائیوں سے توہین عدالت کی کاروائی کا اختیار فوراً چھین لیا جائے۔ دوم جج کی تنخواہ و مراعات عام ٹیکنو کریٹ کے برابر رکھی جائیں۔ سوم "می لارڈ یعنی

میرے خدا" جیسے بیہودہ القابات زبردستی چھین لئے جائیں۔ چہارم ججز کا شنوائی کا وقت کم از کم چھ گھنٹے روزانہ مقرر کیا جائے ہفتے میں چھ دن۔ پنجم ججوں کی سالانہ گرمائی اور سرمائی چھٹیاں بند کر کے عام افسران کی ہی طرح مقرر کی جائیں۔ ششم، ججوں کی اپنی ایسوسی ایٹ ٹائپ کمپنیوں کے ذریعے ناجائز کمائی روکنے کے لئے ان کی تعیناتی دوسرے صوبوں میں کی جائے تاکہ یہ تاثر ختم ہو کہ "وکیل کی بجائے جج" کر لیا جائے۔ ہفتم ہر سطح کا جج ماہانہ پندرہ مقدمات کا فیصلہ لازمی کرے وگرنہ اس کی مراعات بند کر دی جائیں۔ ہشتم، پاکستان میں امریکی طرز پر عوام میں سے بہترین شہرت والے عام منتخب لوگوں کی "پبلک جیوری" تحصیل سطح پر قائم کر کے 80 فیصد مقدمات کا فیصلہ وہیں پر کرایا جائے۔

لیکن یہ سب کچھ تبھی ممکن ہو گا اگر واقعی ملک کی ترقی مقصود ہو تو۔۔۔۔

"چینی آکٹوپس"

کالم میٹھا سچ 491 از ڈاکٹر سلطان محمود

فروری 18، 2022

دنیا میں اس وقت سرمائے کی شدید خواہش کے باعث مذاہب کی شکست وریخت عروج پر ہے اور مشرق مغرب شمال جنوب سبھی نے مذاہب کو کامیابی سے نہ صرف ذاتی مسئلہ بنا دیا ہے بلکہ مذہبی علماء کے دماغ سے منطق نکال کر جذبات بھر دیئے ہیں تاکہ مذاہب جلد اپنی موت آپ مر جائیں۔ تزاویراتی تجزیہ بتاتا ہے کہ پچھلے دو سو برس کی اس شاہکار طاغوتی جنگ میں یہودی کارل مارکس کے حقیقی اشتراکی نظریات کے سہارے روس نے مصنوعی اور ظالمانہ اقتصادی اور سیاسی نظام کھڑا کیا جو صرف پچھتر برس میں اس لئے زمین بوس ہو گیا کہ امریکہ نے یہودی ہی کے اصلی سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی آزادی اور ذاتی خوش حالی کا تڑکا لگا دیا اور وسیع سرمایہ پیدا کر کے اسلحہ بنایا لہٰذا سوویت یونین کی کشتی بیچ منجدھار نظریئے سمیت ڈوب گئی۔

سیاست اور اقتصاد چونکہ ہمیشہ سے باہم مربوط ہیں اور دونوں کے مزاج میں مذہب ایک خود ساختہ بوجھ ہے اس لئے دونوں مذہب کی حاکمیت قبول نہیں کرتے لیکن کام بھرپور لے لیتے ہیں۔ لہٰذا چین نے انسانوں کے عالمی سمندر میں ایک دیو قامت آکٹوپس بن کر یوں انوکھا کام کیا ہے کہ دونوں اشتراکی و سرمایہ دارانہ یہودی اقتصادی نظاموں کے بیچوں بیچ ایک ایسی سیاسی پگڈنڈی دریافت کر لی ہے کہ جہاں مذاہب والا اللہ سرے سے ہی مفقود ہے یعنی آج کے تمام بڑے مذاہب کے مبلغین جس ذاتی خواہش پر اللہ کا ٹھپہ لگا کر چلنا چاہ رہے تھے اسے دلیرانہ طور پر ببانگ دہل باطن سے ظاہر کی طرف لا کر اپنا لیا ہے۔ بالفاظ دیگر چین نے بھی مذہب کو مغرب کی طرز پر ذاتی معاملہ بنا دیا ہے۔

اس نے دونوں یہودی اقتصادی نظاموں کے باہمی اختلاط سے خوبیاں یوں اکٹھی کی ہیں کہ مزدور کو مشین بنا کر سرمایہ بھی پیدا کر لیا ہے اور ان نظاموں کی کمزوریوں پر ایسے قابو پایا ہے کہ آئی ایم ایف کے ظالمانہ طریقہ کار کے برعکس امریکہ سمیت پوری دنیا کو دوستانہ قرض کے جال میں بھی جکڑ لیا ہے۔ نیز کرپشن پر "سر تن سے جدا" والی مذہبی سزائیں بھی لاگو کر دی ہیں۔
اب دنیا کی تمام شکست خوردہ اقتصادی، سیاسی و مذہبی طاقتیں اس طاغوت کے ساتھ سینکڑوں برس سرد جنگ کرتی اور اپنے زخم چاٹتی نظر آئیں گی۔

COMMENTS

Women makeup business is a trillion dollar industry thus how world will accept hijab while 90٪ is depicted through female face?

An old buddy from Sri Lanka commented that "You have a bloody good point. Never thought about it in this way".

I reiterated that "whole human race is after material cash, thus we are facing so-called economic war. Economy calculates the politics and politics generates religious and military goons. The same is in India, and up to some extent everywhere in the world, my dear."

میرے سابق ہم جماعت سری لنکن ڈاکٹر سنیل گاماگی نے یہ وڈیو شیئر کی ہے جس پر میں نے تبصرہ کیا کہ عورتوں کی میک اپ کی تجارت کھربوں ڈالر تک پہنچی ہوئی ہے لہٰذا دنیا حجاب کیسے قبول کرے گی کیونکہ نوے فیصد میک اپ تو عورت کے چہرے ہی کا محتاج ہوتا ہے۔ اس نے لکھا کہ ہم نے کبھی اس تجارتی نظر سے پردے کے بارے سوچا ہی نہیں تھا۔ آپ نے اچھا نکتہ اٹھایا۔

در حقیقت پوری نسل انسانی اس وقت مایا کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہی ہے جسے ہم اقتصادی جنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اقتصاد در حقیقت سیاست کو جنم دیتا ہے اور سیاست مذہبی و فوجی غنڈہ گردی کی ماں ہے۔ دراصل جو کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے کم و بیش پوری دنیا ہی اس دہشت گردی میں لتھڑی ہوئی ہے۔ دنیا بھر میں مذاہب شکست کھا چکے ہیں۔ یہ نکتہ میں نے اپنے پرسوں کے کالم میں بھی اٹھایا تھا۔ سنجیدہ حضرات ملاحظہ کر سکتے ہیں مندرجہ ذیل لنک سے۔

https://www.facebook.com/100000586641890/posts/5472101769485990/

"الجھن کی سلجھن"

کالم میٹھا سچ 492 از ڈاکٹر سلطان محمود

مارچ 2022ء 20

ایک سابق ہم جماعت رقمطراز ہیں کہ بہت الجھن میں ہوں کہ کس کا ساتھ دوں۔ خان کا ہر سپورٹر جسے سراج لدولہ اور سلطان ٹیپو کہہ رہا تھا اب اسے ہی میر جعفر اور میر صادق کہہ رہا ہے۔

موصوف کی معصومیت پر ہمیں پیار آگیا کہ ان کا خیال ہے کہ عمران کو حکومت میں شاید موصوف کا قیمتی ووٹ لے کر ہی آیا تھا۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ اپنی الجھن کو اس بد قسمت ملک کی اسٹیبلشمنٹ کے نام لگا کر شانت ہونے کی کوشش کریں۔ کرنل شفیق الرحمن نے کہا تھا کہ دنیا میں جو بھی کچھ ہو رہا ہے ہماری مرضی سے تو نہیں ہو رہا اس لئے پریشان رہنے کا کیا فائدہ؟

کیا امریکہ نے ہم سے پوچھ کر نیٹو کے ذریعے روس کی ناکہ بندی کی تھی یا روس نے ہماری مرضی سے یوکرائن پر چڑھائی کی ہے؟ پر سکون رہیئے یہی ہماری اچھی صحت کے لیے ضروری ہے۔

ہمارا آرمی چیف امریکن بلاک میں رہنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے چونکہ ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان میں تو رہنا نہیں لہٰذا اس کے لئے قابل رہائش سبھی ممالک امریکی اثر میں ہیں لیکن زمینی حقائق کے مطابق پاکستان چینی بلاک کی جانب جھک رہا ہے۔ اس کشمکش میں عمران کا عہدہ ختم بھی سکتا ہے لہٰذا اگلا وزیر اعظم کون ہو گا اس بار بھی یہ فیصلہ عوام کا ووٹ نہیں بلکہ اسٹیبلشمنٹ کا ڈنڈا کرے گا۔

اور اگر 2028ء تک عمران کو بحال رکھا بھی گیا تو کیا اس میں ہماری رائے کا بھی کوئی دخل ہو گا؟

حضور ہم سب ابھی غلام ہیں لہٰذا ایک غلام کا سوچ سوچ کر الجھن میں جانے کا کیا حاصل؟ وہ غلام جتنی جلد جی کو جلانا بند کر دے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ ہم نے مشورتا" لکھا ہے کہ شکر کریں کہ ہم اپنے جسم کی حد تک آزاد ہیں۔ اسی کو انجوائے کیجئے۔ وقت پر نماز ادا کریں، کھائیں پئیں، سیر پر نکل جائیں اور جسمانی آزادی کے فارغ اوقات میں سوشل میڈیا پر بیٹھ جائیں اور الجھنوں سے دور رہنے کی کوشش میں لگے رہیں۔

ہم سے تو وہ مسخرے بدرجہا بہتر ہیں جو عمران کی نقلیں اتار کر پر سکون ہو جاتے ہیں اور اگر کل عمران پٹ گیا تو یوں بغلیں بجائیں گے جیسے فارغ تماشائی کسی کے پیچے پر دوسرے کی پتنگ کٹنے پر احمقوں کی طرح تالیاں پیٹتے ہیں حالانکہ ان کے ہاتھ میں نہ ڈور اور نہ ہوا کا رخ۔

ہم عالمی منڈی کے طاقتور رخ پر تیرنے والی قوم ہیں۔ ہماری منقسم عوام کا نہ کوئی قومی رہنماء ہے اور نہ نظریہ۔ نہ ہمارے ہاتھ میں دولت اور نہ سائنسی تحقیقات پر ہماری گرفت۔ اور اوپر سے اللہ کا فضل کہ ہمیں کام کاج کا بھی شوق نہیں۔ تین چوتھائی ان پڑھ اور باقی کے مشرف، زرداری، نواز شریف، عمران اور فضل الرحمان کا نام لے کر بھانڈ بنے سوشل میڈیا پر یوں فارغ بیٹھے ہیں کہ جیسے چین، امریکہ و سعودیہ ہمیں جلد ہی من و سلویٰ پیش کرنے والے ہیں۔ ایسی خوبصورت صورتحال میں الجھن میں رہیں ہمارے دشمن یعنی اسٹیبلشمنٹ کے کلرک۔ ہم کیوں صحت برباد کریں۔

"خلافت چینیہ"

کالم میٹھا سچ 493 از ڈاکٹر سلطان محمود

مارچ 26، 2022ء

ہم نے کینیڈا میں مقیم اپنے سابقہ ہم جماعت اور موجودہ پٹواری کو صبح صبح چٹکی کاٹنے کی خاطر لکھا کہ "عمران 2028ء تک". اس کے سونے کا وقت تھا اور غالباً اسے بھی گناہ بخشوا کر سونے کی عادت ہے لہٰذا فوراً تڑپ کے غنودگی سے باہر آیا لکھتا ہے کہ "اگر اتنا یقین ہوتا تو جمعہ کو تحریک پیش ہو جاتی" مزید لکھتا ہے کہ "منڈی لگی ہوئی ہے۔ جو ایم کیو ایم اور چوھدریوں کی زیادہ قیمت لگائے گا وہ وزیر اعظم کی کرسی لے جائے گا۔

ہم گویا ہوئے کہ عوام کی تکلیف بھی تو ڈرامے کر کے دور کرنی ہے۔ غریب کہے گا کہ کم از کم ہمیں سنا تو گیا۔ جواب آیا کہاں دونوں کی قیمت گیٹ نمبر چار سے ادا کی جائے گی۔ جیسے تینوں چوہوں کو ادا کی جا رہی ہے۔ دوست نے ہماری بات کی پہلی بار تائید کی ہم گویا مارے خوشی کے پھول گئے۔ کہ چلو ہم ایک صفحے پر تو آئے۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔۔۔۔

مایوس عوام کے دل کا زہر نکالنا بھی تو ضروری ہے اور ان کا بھی جنہیں فوج کے خلاف بولنے سے مراعات ملتی ہیں۔ اس پر وہ دل جلے تڑپ کر بولے کہ یہ بات میں تو بہت پہلے سے یہ کہہ رہا ہوں۔ عمران اور اس سے پہلے کوئی بھی ووٹ سے نہ آیا اور نہ گیا۔

اگست 14 تو ویسے ہی منا کر پیسے ضائع کرتے ہیں۔

انٹیلیجینسیہ اور طبقہ پڑھا کیہ کو بھی دھوکہ دینا مطلوب ہے کہ الجھن میں ہی رہے کہ سیاست میں فوج ہے بھی کہ نہیں۔ آپس میں ہی سر پھٹول جاری رکھیں۔

دوستِ من طنز سے کہاں باز آنے والے تھے فوراً امریکہ زندہ باد کا نعرہ جڑ دیا۔
حضور یہ میرا بھی نظریہ رہا ہے پچھلے تیس چالیس برس سے۔ لیکن آپ لوگ اختلاف کرتے رہے۔ زیادہ تر کو آج بھی سمجھ نہیں کہ انہیں کھلایا جاتا ہے بے وقوف بنایا جاتا ہے۔
دولت باہر لے جانے کا اسٹیبلشمنٹ باقاعدہ حصہ لیتی ہے بڑے چوروں سے۔ اسی لئے زرداری نواز شریف کبھی بھی دھیلہ واپس نہیں کریں گے۔ یہ نیب سب ڈرامہ ہے۔

You know what Asma Jangeer said?

Friend: When fraudulent activities of establishment opened, people will forget fraudulent activities of politicians

Sultan Mahmood: Don't try to blame Gs. Everything is obvious for the genius. No need to name anyone. Otherwise Indian lobby will be pleased especially from those who are abroad.

Friend: One year salary of PM was less than one month salary of CEPC chief.

I have many but this one example is enough.

Sultan Mahmood: Yes, I know. I spent many years with HRCP and still a part.It's now a history. We are in transition.We can't survive now without Yajooj Majooj China.Pakistan was created by Americans, saved by Americans, used by Americans, pace of economic development planned by Americans and reigned by Americans in disguise of politicians and generals.

Friend: I hope so

Sultan Mahmood: But now American game is over.

Friend: What Liaqat did mistake, I hope IK remove it. MQM is continuity of Liaqat Ali. Good night. We need live with peace with our all four neighbors not only one

Sultan Mahmood: This I know since 1983 when started working under civil bureaucracy. This I don't agree. We were planned by Americans long ago since 1917, my dear.

Friend: Don't remove your clothes here

Sultan Mahmood: But be sure now we will be saved, used, nurtured and act by Yajooj Majooj.And our next third generation will be fighting an independence war, if we couldn't manufacture our own true leader. And that will hopefully be IK and/or may not be anyone in next 50 years.

نہ چھیڑ ملنگاں نوں۔۔۔ نئیں تے پے جان گے ٹنگاں نوں۔۔۔۔

Friend: Until Shah M Q and Sheeda Talli like people with him, forget IK can do it. We need referendum and move to presidency like USA or one party like China. To me China system is closer to Islamic principles

Sultan Mahmood: Yes, we will be under Chinese system soon, the "Caliphate of China", never Islam.

"POLITICAL STOCK EXCHANGE"

Column Meetha Sach 494 by Dr. Sultan Mahmood

27March2022

Some examples of turning politics into business through dynasty are given as below:

1. In 1966, PPP turned itself into a business entity as Private Limited Company led by Bhutto and restricted it within family. Later Zardari hijacked it and became full custodian and sole beneficiary of the political party PPP by marrying BB. Then he produced a hybrid BILAWAL BHUTTO ZARDARI to keep country politics tightly in his grip.
2, In 1980, a general gave birth to NS who did the same what Bhutto and Zardari did in PPP. He inducted his whole dynasty into PMLN and hijacked political business in favor of his Private Limited Company.
3. Later in the scene, similar roles were played by Q League, ANP, JUI, JUP, and many others, except MQM

& JI, but MQM grabbed street power by promoting anarchy and Jama'at Islami was the only loser in this whole unethical political business in terms of rejection by the masses.

Conclusively, history of elected governments shows that:

If all elections were fair and clean then our whole public is proved CORRUPT who elected the dirty politicians.

If elections were engineered then it's a proof that the Establishment was the only single Political Stock Exchange.

"خان صاحب قوم کو ذرا مزید غلام رہنے دیں"

کالم میٹھا سچ 495 از ڈاکٹر سلطان محمود

اپریل 10، 2022ء

جن کے باپ دادا نے اپنے ملک کے غریب مسلمان بچے بیچ کر اور پھر مروا کر انگریز کو ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع دیا اور بدلے میں جاگیریں لیں انہی کی اولاد آج بھی امریکی غلامی کا شکار ہیں اور 12 کرپٹ بونوں نے اکیلے ایماندار گلیور کو گرا کر آقاؤں کی نمک حلالی کا ثبوت دیا ہے۔ امریکی مدد سے عمران کا تختہ الٹنے سے امریکہ کو فوری فوائد تو یہی ہیں کہ کٹھ پتلیوں سے چین اور روس کے خلاف فوجی اڈے لئے جائیں گے اور بدلے میں حسب مرتبہ ہڈیاں بانٹیں جائیں گی۔ لیکن سرد جنگ کے اس دور میں بردباری کا تقاضہ یہی تھا کہ گرتی امریکی دیوار کو عمران کی قیادت میں ایک دھکا اور دے دیا جاتا لیکن ملک عزیز کی غالب طاقتوں کو شاید یہ قبول نہ تھا کہ انہوں نے امریکی اثر والے ممالک میں لوٹ مار کر کے جائیدادیں بنا کر اور بچے وغیرہ بھجوا کر جو رسک لے رکھا ہے وہ برباد نہ ہو جائے اور جہاں تک ممکن ہوا بھی امریکی کیمپ میں ہی رہا جائے۔

ہمارے سیاستدانوں اور ملکی طاقتور اداروں پر امریکہ کی موجودہ کڑی گرفت میں خیر یہ ممکن تو نہیں تھا کہ کوئی ایسا سیاسی رہنماء کامیاب ہو جاتا جو پاکستان کو امریکی غلامی سے نکالنے کی کوشش کرتا لیکن۔۔۔

Crony Prof Ehsanul Haq: Establishment did this game as desired by USA

ڈاکٹر سلطان محمود:

اللہ آپ کا بھلا کرے۔ یہی بات درست ہے لیکن ایک دوسرا نقطہ بھی قابل غور ہے کہ اگلے ڈیڑھ سال بھی اگر عمران کو برقرار رکھا جاتا تو اسے اس عوام سے تاریخی جوتے پڑنے تھے جو اب نون لیگ کو پڑیں گے۔ کیونکہ 15 تاریخ سے تیل کی قیمت 35 روپے فی لٹر مزید بڑھنے والی ہے۔
زرداری نے عدلیہ میں سرمایہ کاری کر کے ایک ہی گیند سے عمران کو آؤٹ کر دیا اور ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے نون لیگ کے تابوت میں تاریخی کیل ٹھکوانے کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔

بے ایمانی، لوٹ مار، جوڑ توڑ اور انتقامی سیاست میں پاکستانی تاریخ کبھی زرداری کو بھول نہ پائے گی۔ جو پیپلز پارٹی فوج سمیت تمام ملکی ادارے مل کر ختم نہ کر سکے وہ اس شخص نے دھیرے دھیرے اپنے نام کر لی۔ پھر نون لیگ اپنے خون میں شامل بے ایمانی کے سبب جب زرداری سے وفا نہ کر سکی تو اس نے اب ان کی بھی منجی ٹھونکنے کا بندوبست کر دیا ہے۔
دیکھتا جا شرماتا جا۔۔۔۔

ایک ناقد: سر مگر آپکی پوری پی ٹی آئی کی طرف سے بمباری جاری ھے۔ کم از کم پچھلے ھزاروں ٹن کے احسانات کو تو یاد کر لیتے۔

ڈاکٹر سلطان محمود:
بھیا ہم اپنی کنسلٹنسی سے کما کر گزارہ کرنے والے لوگوں میں سے ہیں اور کسی پارٹی کے زیر بار احسان نہیں۔ اور کبھی بھی کسی سیاسی و مذہبی پارٹی کا حصہ نہیں رہے ورنہ پی ٹی آئی والے مجھ سے آپکی طرح و دیگر سیاسی و مذہبی گروہوں کی طرح ناراض کیوں رہتے؟ کیونکہ یہاں اپنے لیڈر پر تنقید کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ میں نے براہ راست عمران کی چند پالیسیوں پر کھل کے مخالفانہ کالم لکھے بلکہ وزیر اعلی شہباز شریف کے خلاف اپنی کمپنی کے بحیثیت چیئرمین بھی کالم لکھے۔ لیکن

اس کے باوجود سوشل میڈیا پر موجود اپنے دور نااندیش دوستوں کے تیروں کو شروع سے برداشت کرتے چلے آئے ہیں اور کئی ایک بار تو اپنے پرانے کلاس فیلوز سے بھی زہرناک باتیں سننے کو ملیں۔ لیکن جس کو اللہ نے ذرا سی بھی عقل سے نوازا ہوا تھا وہ جلد سمجھ گئے کہ میرا فوکس ہمیشہ پاکستان کی بہتری پر رہا۔ یہاں تک بھی کہ اگر میرا کوئی عمل خلاف ملت نکلا تو میں نے اپنے اس عمل پر بھی مایوسی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔

یہی گروپ شاہد ہے کہ ایک ناپسندیدہ شخصیت نے بیشمار بار مجھے فوج کا ایجنٹ یا پی ٹی آئی کی سوشل میڈیا ٹیم کا حصہ قرار دینے کی بہت کوشش کی لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس گروپ میں کچھ اچھے گھرانوں کے لوگ بھی تھے اور بچت رہی بلکہ گروپ ایڈمن صاحب کو بھی دو بار اس شخص کی بیلو دی بیلٹ گفتگو سے مجھے امیونٹی دلانی پڑی۔

"لفافہ صحافی (دوسرا حصہ)"

کالم میٹھا سچ 496 از ڈاکٹر سلطان محمود

اپریل 10، 2022ء

اپنے انداز بیان اور منطق کے حوالے سے ہمیں طلعت حسین شروع ہی سے بہت اچھے لگتے ہیں اور اپنے پیڈ میڈیا ہم اب بھی ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے ہیں اس خبر کے باوجود کہ ان کا تعلق سے ہے۔ نیز ہمیں بہت دکھ ہوا پہلے پہل یہ جان کر کہ ایسا سید بادشاہ بھی بھلا اپنا قلم اور ضمیر بیچتا ہو گا؟ لیکن "دام بنائے کام" والی آفاقی سچائی سے انکار کرنا بنتا نہیں۔ چونکہ ان کا پیشہ صحافت ہے اس لئے ہم ان پر یہ "سچا الزام" لگا رہے ہیں کیونکہ ہم نے تو 17 کتابیں لکھ مارنے کے باوجود ایک بھی نہیں بیچی سوائے ان دو سو روپوں کے جو کوئی نادان ہماری غیر موجودگی میں آفس بوائے کو پکڑا گیا تھا۔ ہم نے تو رونمایاں بھی اپنی جیب سے کرائیں کیونکہ کوئی ہمیں صحافی ماننے کو تیار ہی نہ ہوا آج تک۔ یہ کریڈٹ صرف ہمارے موجودہ سیاسی گروپ کو جاتا ہے یا پھر قرشی انڈسٹری کے نقلچی "محققین" کو جنہوں نے ہمیں "خفیہ" ایجنسیوں کا نمائندہ سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ایک بار تو ہم نے یہی شیخی بگھار دی کہیں ایک انجنیئرنگ کی بڑی مشاورتی کمپنی میں تو یار لوگوں نے وہاں ہمیں سی آئی اے کا کرنل رینک کا ایجنٹ بناڈالا بلکہ پانچویں برس خود ہی ہماری جنرل کے رینک پر ترقی کر ڈالی۔

اصل لطیفہ تو تب بنا جب ہماری کمپنی کے ہی ہمارے ایک انتہائی قریبی رفیق نے ہماری اس "ایجنٹی" کو مستند سمجھتے ہوئے ہمیں اینکر جاوید چوہدری کا بھائی یا کزن مشہور کر ڈالا کیونکہ بقول ان کے ہماری باڈی لینگویج ان سے بہت ملتی ہے۔

خیر بات دوسری طرف نکلتی جا رہی تھی تو عرض یہ کرنا چاہ رہے ہیں کہ پاکستانی صحافت بھی چونکہ انڈسٹری بن چکی ہے اس لئے اس میں جب عالمی مافیا یعنی بھارت، اسرائیل اور امریکہ نے سرمایہ

کاری شروع کی تو اسے ہائبر ڈوار یا ففتھ جنریشن وار کا ایک اہم ہتھیار بناڈالا۔ ان طاغوتی طاقتوں نے ایک قدم تو بہت شاندار اور کامیاب اٹھایا اور وہ یہی تھا کہ چن چن کر زیادہ پر اثر اور زور بیاں کے استادوں پر ان کی حیثیت سے بھی زیادہ سرمایہ کاری کی۔ اندازہ کریں جس کے ترکش میں طلعت کے علاوہ حامد میر اور سلیم صافی جیسے قد کے مشاہیر جمع ہوں تو دوسری جانب مقابلے پر اترنے والے بونوں میں عمران ریاض، ارشاد بھٹی، معید پیرزادہ اور دربدر کامران خان جیسے مفت کے عمران کے عشاق شامل ہوں نیز ملک کے سب سے بڑے ٹی وی چینلز اور میڈیا ہاؤسز بھی پہلوں کو میسر ہوں تو مقابلہ ایک لحاظ سے یک طرفہ ہی رہے گا۔ ہندوستان ٹائمز کے تیس برس پرانے پراجیکٹ "امن کی آشا" کا بجٹ ہی دیکھ لیں جو جنگ میں حامد میر نے چلایا تو حیرت ہوتی ہے یہ جان کر کہ سابق وزیر اعظم عمران خان نے آخر کس بھرتے پر لالچی میڈیا سے بغیر پیمنٹ کئے ٹکر لی ہو گی؟ ہمارا شمار تو اللہ کے فضل سے صحافتی برادری میں ہوتا ہی نہیں کیونکہ ہم اپنی چھوٹی سی بیکار ماحولیاتی کمپنی میں فارغ بیٹھے پنشن کھائے جاتے ہیں اور عمران اور پوری تحریک انصاف کے علم کے بغیر ہی مفت میں عمران خان کی تعریفوں کے پل باندھتے رہتے ہیں۔ ہمارے اس عمل کو یار لوگ "گناہ بے لذت" سے تشبیہ دیتے بھی پائے گئے ہیں مگر ہم انہیں معاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ "میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے"۔

برصغیر میں قدم رکھتے ہی برطانوی راج نے اپنے ماہر تعلیم لارڈ میکالے کی تحقیق پر مبنی جو دو قدم اٹھائے وہ تھے کہ اردو، فارسی، گورمکھی، ہندی اور عربی وغیرہ کو ختم کر کے انگریزی ذریعہ تعلیم نافذ کر دیا گیا اور راتوں رات تمام پڑھا لکھا برصغیر ان پڑھ قرار پا گیا اور دوم، گوروں نے میڈیا اپنے ہاتھ میں رکھ کر اس قدر جھوٹ بولا کہ وہ سچ لگنے لگ گیا۔ یہی چال سابق وزیر اعظم عمران کے دور میں بھی چلی گئی اور دونوں جانب سے جی بھر کر جھوٹ بولا گیا اور اسے اتنے تواتر سے بولا گیا کہ پانچ

فیصد عوام کے علاوہ سبھی اسے سچ ماننے لگ گئے۔ اور اپنے کرشماتی رہنماؤں کی گائے کے گوبر کو بھی مخالف کے گاجر کے حلوے سے بہتر ثابت کرنے لگ گئے۔ بس پھر کل یہی ہوا کہ زیادہ بھاری لفافہ جیت گیا اور ہمارے جیسا 25 برس سے ٹی وی نہ دیکھنے والا شوقیہ فنکار بھی اکثر سارا قصور "یار لوگوں" کا بھی نہیں کیونکہ ہمارے اپنے اولین چھپنے والے کالمز میں طنزیہ کالم "لفافہ صحافی" نے بھی ضرور بیک فائر کیا ہوا لگتا ہے جس میں ہم خود ہی اپنے آپ کو ترغیب دے رہے ہیں کہ "بھیا مال بنانا ہے تو لفافہ صحافی بن جاؤ"۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کالم کا نام بھی لفافہ صحافی ہی رکھ دیا ہے۔

" نشئی وچالیس نکے بمقابلہ علی باباچالیس"

کالم میٹھاسچ 497 از ڈاکٹر سلطان محمود

اپریل 15ء2022

اقتدار کی ہوس میں سیاستدان ایسے اندھے ہو جاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں ہوا ہے۔ اور ایسا پتلی تماشہ لگانے والوں کو بھی پتا ہے۔ اس لئے انہوں نے جانے انجانے ون ون پالیسی کے تحت عمران کو مزید مضبوط کرنے کا ڈرامہ چلا دیا ہے۔

میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ موجودہ حکومت نے عمران کو سیاسی شہید بنا کر اپنے گلے میں غیر جمہوری طوق ڈال لیا ہے جس کے لئے میرے سابقہ باس شہباز شریف قابل ترس ہیں۔ ایک طرف انہوں نے عمران کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دے دیا ہے اور دوسری جانب 12 جماعتی اتحاد میں دنگل اپنے گلے ڈال لیا ہے۔ لیکن تیسری جانب مہنگائی انتہائی خطرناک گہری کھائی ہے جہاں قیمتیں عالمی حالات کے تناظر میں بڑھنے سے اس وقت دنیا کا کوئی بھی حکمران روک نہیں سکتا۔ لہٰذا 11 یا 14 جماعتی اتحاد کا مستقل شیرازہ بکھرنے کو ہے کیونکہ یہ مہنگائی کا نعرہ مار کر عمران کے خلاف خم ٹھونک کر نکلے تھے۔

اب "نشئی اور چالیس نکے" اور "علی بابا اور چالیس چور" آپس میں متحارب رہیں گے۔ اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں کباڑہ تو بہر صورت گھاس یعنی عوام کا ہی ہونا ہے۔

"اندر کی خبریں"

کالم میٹھا سچ 498 از ڈاکٹر سلطان محمود

اپریل 19ء2022

آج بھکاریوں کو حکومت میں آئے دس دن ہو گئے ہیں اور اس عارضی سیٹ اپ نے وزیر اعظم سمیت ضمانتوں پر آزاد پھرنے والے ملزمان کی کابینہ کی بھی تشکیل دے دی ہے۔ نیز دوسری جانب پاکستان کے طول و عرض سمیت دنیا کے بیس ممالک میں عمران کی حمایت میں اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ ایسے میں ہمارے ایک دوست نے "اندر کی خبروں" پر ہمارا تبصرہ مانگ لیا ہے جسے ہم نے یوں بیان کیا ہے۔

حکومت میں شامل بھان متی کنبے کے سنجیدہ صاحبان کا بھی خیال ہے کہ مقتدر حلقوں نے ون ون گیم کی ہے۔ ایک جانب عمران کو مزید طاقتور کرنے کے لئے اسے وقتی ریلیف دیا ہے۔ دوسری جانب نون لیگ کو مکمل گندہ کر کے سیاست سے باہر کرنے پر کام جاری ہے جس کے لئے شین لیگ کو پیدا کرانے کے لئے شہباز شریف کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا چکا ہے۔ تیسری جانب عمران کے امریکہ مخالف بیانئے کا نہائت باریک بینی سے جائزہ لیا جا رہا ہے کیونکہ اب پاکستان کا اس کیمپ سے نکل آنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب عالمی سیاست میں امریکہ کی گرتی دیوار کو آخری دھکا عمران سے لگوا کر عمران کی سیاسی شہادت کے ساتھ ساتھ جسمانی شہادت پر بھی داؤ کھیلا جا سکتا ہے۔

پاکستان قائد کے وقت ہی سے اس بری طرح امریکی پنجے میں جکڑا ہوا ہے کہ اب مقتدرہ نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ اپنے ایک دو سیاستدان مروا کر بھی اس جن جیسے سے جان چھوٹ جائے تو سودا برا

نہیں۔ لہٰذا ہماری مقتدرہ نے امریکی استبداد سے باہر نکلنے کے لئے چینی فارمولا آزمانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس سلسلے میں بھارت اور پاکستان کی مقتدرہ کی سوچ بھی ایک صفحے پر آ چکی ہے۔

چین اگلے دس برس میں بغیر لڑے امریکہ کو اپنی سرحدوں میں سمٹنے پر مجبور کر دے گا۔ اب چین نئی اقوام متحدہ اور عالمی بنک پر امن طریقے سے (برازیل، روس، بھارت، چین اور ساؤتھ افریقا)

BRICS

کی شکل میں آگے بڑھائے گا۔ روس کو بھی چین کی خاموش حمایت حاصل ہے وگرنہ وہ اتنی آسانی سے یوکرائن میں نہ جا گھستا۔

"اور بل ادا کر دیا گیا"

کالم "میٹھا سچ" 499 از ڈاکٹر سلطان محمود

یکم مئی 2022ء

ٹرپل اے "اللہ، امریکہ، آرمی" کی حکمتیں تب کھل کر سامنے آتی ہیں جب واقعات وقوع پذیر ہوئے مدت گزر ہو چکتی ہے۔ پھر ہم جیسے "سمجھدار تجزیہ نگار" پچاس برس گزرنے کے بعد اس وقت غلط یا درست قرار پاتے ہیں جب طاقت نمبر دو یعنی امریکہ کچھ خط و کتابت ڈی کلاسیفائی کرتا ہے۔ تب تک ٹرپل پی "پریسٹ، پینٹاگون، پالیٹک طاقتوں" سے نابلد رہتی ہے اور ٹرپل اے پر ضعیف اعتقاد کے باعث من مانے "فرقوں، سرد جنگوں، اور مارکیٹنگ" کی وحشتوں میں الجھ کر بسا اوقات "عوامی احتجاج" کو بھی نظر انداز کر جاتی ہے اور ہم جیسے "معاملہ فہم" انہی شورشوں کو زندگی سمجھ کر اپنی بنسری بجاتے چلے جاتے ہیں۔

ملک عزیز میں بھی ہمیں سامنے نظر آنے والی شخصیات ہی طاقتور لگتی ہیں لیکن اصل کھیل پس پردہ طاقتور شخصیات کے "ڈاکٹرائینز" کا ہوتا ہے۔ اشارتاً عرض ہے کہ آئین کے مطابق آرمی چیف کی تعیناتی کا اختیار وزیر اعظم کے پاس ہوتا ہے جو اگر "اڑیل" نہ ہو تو وہی کچھ کرتا ہے جو آرمی چیف کہے۔۔۔۔۔۔۔ باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔۔۔۔۔۔۔

عالمی طاقتیں اپنے علاقائی کھیل میں ہمارے جیسے ملک کی عوام کو ٹشو پیپر بھی اگر سمجھ لیں تو پھر بھی غنیمت ہے کہ عزت رہ گئی وگرنہ تو وہ ہمیں ٹوائلٹ پیپر سمجھتی ہیں۔۔۔۔۔۔ اور آپ چلے اس غلامی سے نجات پانے جو قائد اعظم ملک آزاد کرا کر بھی اس عوام کو نہ دے پائے تھے یعنی ذہنی آزادی۔ اور آپ شاید متفق ہوں کہ ذہنی آزادی کی بھی قیمت ہوتی ہے جو "ڈالر" کی ہی مرہون منت رہے گی۔

جیسا نگاسچ "beggars are not choosers" شہباز شریف اتنا مدبر سیاستدان ہر گز نہیں کہ خود سے بول سکتا۔ یہ کسی عالمی طاقت نے اپنا پیغام اس کے منہ میں ڈال کر کہلوایا تھا جو اس نے براہ راست "game is over". رات عمران کو پہنچا دیا تھا اور سمجھنے والے اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ اب آپ خود دیکھ سکتے "لیٹر گیٹ" کے پیغام کو سچ ہوتے۔۔۔۔۔۔۔

پرسوں کے شورش زدہ عمرے میں لیٹر گیٹ کے وعدے کے مطابق "بل ادا کر دیا گیا ہے"۔

پاکستانی حکومت کو ہمیشہ دست نگر رکھنے والا صرف چند ماہ کی ضروریات کا بظاہر "سعودی ریلیف پیکج"، "ٹیم پلیئرز" کے لئے وعدے کے مطابق "خفیہ پیکج" کے ساتھ ساتھ ضمیر مطمئن رکھنے کے لئے ٹرپل اے کے پہلے اے کی طاقت یعنی اللہ رسول کے گھروں میں دروازے کھول کر زیارتیں، پاکستانی عوام کے لئے دوسرے اے کی حکم عدولی کرنے والا خط لہراتا "چھنکنا" اور تیسرے اے کے لئے نومبر میں من چاہا مجاہد۔

"ہمیں شاعر بننا کیوں پسند نہیں؟"

کالم میٹھا سچ 500 از ڈاکٹر سلطان محمود

مئی 5ء2022

ایک مشاعرے میں شرکت کی دعوت ملی تو ہم نے حیرت اور بے چینی سے ملی جلی تشویشناک آہ بھر کر معذرت کر لی۔ حیرت تو اس لئے ہوئی کہ بھلا شاعری اور سائنس کا کیا جوڑ؟ لیکن بے چینی کی وجہ اپنی کم مائیگی نکلی کہ کہاں ہم اور کہاں اس مشاعرے میں ڈاکٹر کی سطح کے شاعر؟ نیز ایک واقعہ یاد کر کے انجانے خوف سے ایک جھرجھری بھی آگئی جس میں ایک شاعر کی سطح کے ڈاکٹر صاحب نے دو سو کے لگ بھگ خشک سائنسدانوں کی ورکشاپ میں بن ملی اجازت سے اپنا وہ کلام ٹھونک مارا کہ جس سے سامع سائنسدانوں کے منہ پر ہوائیاں اڑتی دیکھی گئیں۔ جب وہ سائنسی شاعر محفل میں قبرستان جیسی خاموشی برداشت نہ کر پائے اور مشاعروں کے سے انجمن ستائش باہمی جیسے ماحول کی طرح واہ واہ اور ارشاد ارشاد کی تکرار کی بجائے خراٹے ان کی حسین سماعتوں کی نذر ہونے لگے تو موصوف نے شور محشر کا سا سماں بنانے کی خاطر لنچ کے وقفے کا اعلان ایک آزمودہ نسخے کے طور پر کر دیا لیکن سر پیٹ کر رہ گئے کیونکہ تقریباً سبھی سائنسدان یوں طعام گاہ کی جانب رینگنے لگے جیسے بچے صبح سکول جاتے ہیں۔

یہ قصہ ہم نے اپنے ایک شاعرانہ مزاج کے مربی کو سنایا تو انہوں نے ہماری بھدی سماعتوں کی یہ انکشاف کر کے نظر اتاری کہ نیوٹن بھی شاعر تھے بلکہ انہوں نے نیوٹن کی انگریزی کی ایک غزل بھی پیش کر دی جو ہمیں پیوٹن کی یوکرائن پر بمباری جیسی لگی۔ ہم ادھ موئے سے ہو گئے کیونکہ ہمیں غزل اور وہ بھی انگریزی میں ایسے ہی لگی جیسے ہمیں کوئی لسی پلانے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ بھی گرم۔ اور پھر ہمارے محسوسات ایسے ہو گئے جیسے کہ بیگم سے مشورہ لینے کے بعد ہو جاتے ہیں یا

سخت گرمی میں پان کھانے کی تلاش میں بھری دوپہر دور تک چلنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ پان کی دوکان بند ہے یا پھر وہ کیفیت ہو جائے جو سردیوں میں ٹھنڈی چائے پینے کے بعد ہوتی ہے یا وہاں خارش کرنے سے ہوتی ہے جہاں نہ ہو رہی ہو۔ بلکہ ہماری تو موت ہوتے ہوتے رہ گئی جب انہوں نے اپنے کان مکمل طور پر بند کر کے زبان کو ایک ایسی موٹر بائیک کی طرح سٹارٹ کر دیا جو کھڑی تو سٹینڈ پر ہو لیکن اس کی ٹینکی فل ہو۔ ہم نے بیزاری کے مارے ان کی ساری عالمانہ گفتگو میں اس ڈر کے مارے کوئی سوال نہ پوچھا کیونکہ جانتے بوجھتے بھلا کون کوشش کر کے ٹرک کے نیچے آتا ہے۔ ہاں تو ہم آتے ہیں اس دعوت نامے کی طرف جو ہمیں مشاعرے میں شرکت کا ملا تھا۔ ہم نے جان کی امان پانے کی شرط پر یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ برا نہ منائیں تو کیوں نہ ہم براہ راست سٹیج پر آ کر فارغ سامعین کی سمع خراشی کرنے سے قبل دو چار مشاعروں میں بطور مبصر شرکت کر کے ماحول کو سمجھ لیں تو یہ سن کر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ جب انہوں نے یہ رعایت دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے ایک غزل ہمارے ہاتھوں میں تھمادی کہ یہی پڑھ دیجیے گا اور ساتھ ہی اس انکشاف سے ہمیں چونکا دیا کہ صاحب یہ سائنسی کانفرنس نہیں کہ جس میں صرف اپنی تحقیق ہی پیش کرنا ضروری ہو اور اوپر سے گھنٹے بھر کی انگریزی کے بعد محض چند ایک تالیوں سے ہی تواضع ہو اور وہ بھی ان کی جانب سے جنہیں تحقیقی مضمون بالکل سمجھ نہ آیا ہو یا ان کی جانب سے ذرا زیادہ جاندار تالی بجے جو ٹی بریک کا انتظار کر رہے ہوں۔ خیر ہم نے ہکے بکے انداز میں بھرے مشاعرے میں سائنسی انداز میں کسی اور کی غزل سنادی۔ ہم یہ جان کر ششدر رہ گئے کہ ہماری عمر اور شخصیت کے حوالے سے ہمیں معروف شاعر قرار دے دیا گیا اور نہ صرف ہر مصرعے کے بعد تعریفوں کے ڈونگرے برسائے گئے بلکہ ہمیں ابن بطوطہ جیسا نئی راہوں اور نئے خیالات کا ابن انشاء کے پائے کا شاعر قرار دیدیا گیا۔ یہاں پائے سے مراد ہمیں پاؤں ہی لگا ہر کوئی شعر فہم

تھا ہر کوئی تعریفی ماحول میں ہم نے اپنے آپ کو خوب خوب دھوکہ دیا اور ہمہ وقت شاعروں جیسا منہ بنائے رکھا۔

شعر گو۔۔۔

!! کس کس کے منہ پہ میر کا دیوان مارتا۔۔۔

ہم چونکہ سینکڑے کے لگ بھگ درجنوں کی تعداد میں خشک سائنسی کانفرنسوں کے عادی تھے اور بظاہر جاگتے رہنے میں بھی ماہر تھے اس لئے مشاعروں میں زندہ دلی اور جوش وولولے کی جانب لڑھک گئے اور آہستہ آہستہ شاعرانہ حلیہ اختیار کرنے بارے سوچنے لگ گئے۔ ہمیں یہ خیال بھی بہت رنگین لگنے لگ گیا کہ زندگی کا اصل مزہ ہی شباب، شراب اور کباب میں ہے لہٰذا بھاڑ میں گئی کتاب۔ ہاں یاد رہے کہ ہم نے صرف پڑھنے والی کتاب کو بھاڑ میں بھجوایا ہے اپنے دیوان کو نہیں کیونکہ اسے بھاڑ میں دیگر قارئین بھجوائیں گے۔ آخر انہیں بھی تو کوئی کام کرنا چاہیئے خالی دستخط شدہ کتابیں ہی تو نہ سمیٹتے پھریں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہم سائنس کانفرنسوں کے انکاری اور مشاعروں کے شکاری بنتے چلے گئے۔ شومئ قسمت سے چونکہ سبھی ڈگریاں سائنسی ہونے کے ناطے کچھ سائنسدان یار دوست ہمیں آج بھی بھول نہیں پائے لہٰذا ہمیں گھسیٹ گھساٹ حال ہی میں منعقدہ چند ایک میڈیکل، زرعی اور ماحولیاتی کانفرنسوں میں ڈھولے گئے۔ جیسے کچھ لوگوں کو اپنے مرحوم بزرگوں کی قبروں پر جانے کا شوق ہوتا ہے ویسے ہی ہم نے عرصہ دراز کے بعد جب ایسے سائنسی اکٹھ دیکھے تو دل بہت کھٹا ہوا کیونکہ اکثر تحقیقی پرچے باقاعدہ سرقہ شدہ تھے۔ ایسا لگا جیسے سائنس مر "نیٹ پریکٹر 4 گئی ہے اور اس کی خاک سے ہماری ڈھائی سو سے زائد یونیورسٹیوں کی نئی نسل نے ٹس" کے ذریعے ایشیا و یورپ کے تحقیقی خیال، ڈیٹا حتی کہ مضامین بھی چرانے شروع کر دیئے ہیں۔

اب طالب علموں میں خاصی تبدیلی آچکی لگتی تھی اور زیادہ تر علم کی بجائے ڈگری کی تلاش میں رقومات تک خرچنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

پرانے وقتوں میں ہم جیسے پاک ٹی ہاؤس میں فیض و فراز سے بہرہ مند ہونے والے نیز سائنسی میدان میں ڈاکٹر عبد السلام و ڈاکٹر عبد القدیر کے علاوہ ڈی این اے کی تحقیق میں نوبل انعام والے ڈاکٹر واٹسن نیز کڈنی ٹرانسپلانٹ کے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر جوزف مرے کو ہی نہیں بلکہ اچھے وقتوں کے گمنام شاعروں ادیبوں اور سائنسدانوں کی محافل سے بہرہ مند جوان جب آج کے پاکستانی مصنوعی ماحول کو دیکھتے ہین تو کیفیت کیسی ہو جاتی ہے ذرا ملاحظہ کریں۔

ہمیں لگتا ہے کہ واقعی شاعر بڑھ گئے ہیں مگر شاعری گھٹ گئی ہے اور ایسے ہی سائنسدان بڑھ گئے ہیں لیکن سائنس دفن ہو گئی ہے۔ جیسے مسجدیں بڑھ گئی ہیں مگر نمازی گھٹ گئے ہیں یا جیسے مذہبی تشدد بڑھ گیا ہے لیکن دین کا نام و نشان بس زبان تک ہی رہ گیا ہے۔ یہ تکلیف دہ حقیقت بھی بہت ننگی ہو کر سامنے آئی ہے کہ جنہیں ابھی پڑھنا چاہیے تھا وہ لکھ رہے ہیں اور بے حساب لکھ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حوصلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے بالکل ایسے ہیں جیسے گاؤں کے بندے کو شہر آکر دو چار بار سڑک پر تھوکنے سے کوئی روکتا نہیں تو اس کا حوصلہ بڑھتا ہے تو پھر وہ سر عام بآواز بلند ناک صاف کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

ہمارا دوسرا مشاہدہ یہ رہا کہ "انگریزی ہمیں آتی نہیں، اور اردو ہم پڑھتے نہیں" لہٰذا اگر کہیں اردو کو عردو لکھا دیکھیں تب بھی کسی کی قابلیت پر شاکی نہ ہوں۔

تیسرا مشاہدہ ذرا سنجیدہ قسم کا ہے یعنی کچھ ایسے بھی جنگجو شاعر ہیں جو شوق شاعری میں کسی اور کا خیال چرا کر زخمی اردو کے ساتھ بے وزن شاعری کر کے موٹے موٹے دیوان کالے کئے جا رہے ہیں۔ مذکورہ شاعرانہ محفل میں کوئی ایسا شاعر اور خصوصاً شاعرہ نہ ملی جو دو چار کتابوں کے مصنفین

نہ نکل آئے ہوں بلکہ اپنے ہاتھوں میں اپنی تصنیفات لئے یوں دوسروں کو متاثر کر رہے تھے کہ جیسے کسی خاص بازار میں دلال ہی بس بننے کی کسر رہ گئی ہو۔ بلکہ ہمیں پنڈال میں ایک کالے کپڑوں کے ڈھیر لڑھکتا نظر آیا جو بات کرنے پر جب آئیں تو انہوں نے شروع ہی میں بڑی لجاجت سے گیارہ سو روپے میں اپنے دو دیوان بیچ ڈالے۔ ان کی دونوں کتابوں پر ایک بے حد خوبصورت دوشیزہ کی تصویریں دیکھ کر ہم نے ہانپتے ہوئے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو اس کپڑوں کے ڈھیر سے ایک باریک سی آواز ابھری کہ یہ ہم ہی ہیں لیکن ٹھرکی دشمنوں کی نظر سے بچنے کے لئے ہم اپنے آپ کو ایسے ڈھانپ کر نکلتے ہیں اور کہیں ہمارا رنگ بھی کسی کو نظر نہ آسکے تو اس کے لئے ہم سخت گرمی میں بھی دستانے اور کالی رات میں بھی عینک اوڑھے نکلتی ہیں۔ ہم نے چائے کی میز پر بیٹھ کر ان کی کتاب کی مختصر سی ورق گردانی کی تو ایک لفظ سمجھ نہ آسکا۔ پوچھنے پر ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ہی یکدم ٹوٹ پڑے کہ جب انہیں بھی صفحہ 49 پر درج اپنے ہی شعر میں استعمال ہوئے لفظ "تراوش" کا معنی نہ آیا۔ ہم نے مشکوک ذہن کے ساتھ ان ہی کی کتاب کی ایک غزل ان کی نابینا عینک کے قریب کر کے کلام بزبان شاعرہ سننے کی فرمائش کی تو وہ اپنے ہی شعر نہ پڑھ سکیں۔

چوتھے مشاہدے سے قبل ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اسے بیان کرنے سے قبل 1122 پر احتیاطا" کال کر لیں کیونکہ پٹائی لگ جانے کا کافی اندیشہ پایا جا رہا تھا۔ اور وہ تھا ہمارا یہ مشاہدہ کہ مجموعی طور پر پوری دنیا کے اصلی ڈاکٹر بھی تعداد میں اتنے نہ ہوں جن سے زائد ہمارے ہاں ڈاکٹر پائے جاتے ہیں۔ یہ افواہ ہم نے ایک سائنس کانفرنس میں بھی اڑتی سنی کہ فلاں فلاں اسلام ڈاکٹر کی ڈگری جعلی ہے۔ مگر اکثریت درست ڈگری والے ہی تھے اور وہ جعلی ڈگری والے گروہ سے الگ تھلگ ہی نظر آئے۔ لیکن مشاعرے میں تو اکثر "ڈاکٹروں" کو صرف اتنا پتہ تھا جو بھی کسی بیماری کا بھلے سے پھونک مار کے ہی علاج کر لے وہ بھی مستند ڈاکٹر ہے نیز سند کے طور پر اکثریت ہومیو پیتھی اور

"اسلامی" طرز علاج کے ماہرین پر مشتمل نظر آئی۔ جونہی دو ایک شاعروں سے پوچھ بیٹھے تو ان سب نے ہمارے خلاف جتھہ بنالیا اور ہمیں اپنی اصلی پی ایچ ڈی بھی جعلی نظر آنے لگ گئی اور ساتھ ہی ہم اسلام کی عظمت کے بھی قائل ہو گئے۔

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

فکرِ سلطان

ڈاکٹر سلطان محمود

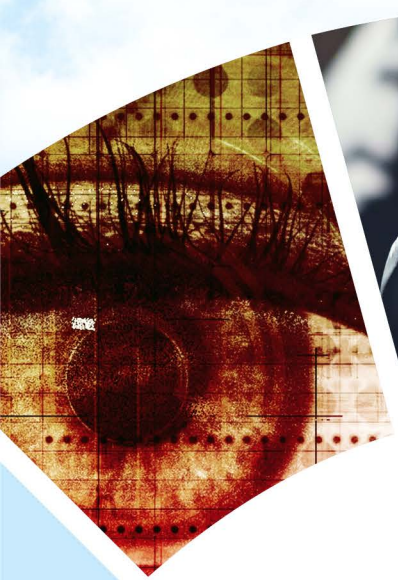

8

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

فکرِسلطان

ECOCARE Consultancy Services (Pvt) Ltd.

ECAP

SOCIETY OF ANIMAL SCIENCES

PAFP — PAKISTAN ACADEMY OF FAMILY PHYSICIANS

ڈاکٹر سلطان محمود

مفکر، محقق اور نقاد

"فکرِ سلطان" کی تمام سیریز آفیشل ویب پر موجود ہیں

ڈاکٹر سلطان محمود نے سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر غذائی تحفظ کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھا لے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بایوڈائیورسٹی کی ہیئت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔

ISBN
9 789697 431625

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر، ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز، لاہور۔ بانی انوائرنمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان؛ سوسائٹی آف اینیمل سائنسز اور ایگزیکٹو پاکستان اکیڈیمی آف فیملی فزیشنز

Mobile | +92 321 4302528 | Ecocare | www.ecocare.pk | ECAP | www.ecap.pk | PAFP | www.pafp.com.pk